ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Monthly JEHD-E-HAQ - January 2021 - Registered No. CPL-13 (قیمت 10 روپے) جلد نمبر 28......شمارہ نمبر 1 ...... جنوری 2021

2020 بھی اقلیتوں کے زخموں پہ مرہم نہ رکھ سکا

3 دسمبر: معذوری کے شکار افراد کا عالمی دن

''حکومت کو اِس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ خصوصی افراد کے حقوق اور ضروریات پر وہ جتنا زیادہ توجہ دے گی، ہماری قوم اُتنی ہی زیادہ صحت مند ہوگی''، آئی۔اے۔رحمان

معذوری کے شکار افراد کی تعداد:

☆ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے مطابق، دنیا میں ایک ارب سے زائد افراد معذوری کا شکار ہیں۔

☆ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے مطابق، معذوری سے مراد کسی قسم کی رکاوٹ یا صلاحیت کی کمی (جو کسی نقص کے نتیجے میں واقع ہوئی ہو) ہے جس کے باعث متاثرہ فرد، زندگی کی سرگرمیاں ایک عام انسان کی طرح انجام دینے سے محروم ہو جائے۔

اقدامات جنھیں ترجیحی بنیادوں پر کرنے کی ضرورت ہے

☆ معذوری کے شکار افراد کے حقوق اجاگر کرنے کے لیے قومی سطح پر آگہی مہم چلائی جائے اور ملک کے عوام کو 'معذوری کے شکار افراد کے عالمی معاہدے' (سی آر پی ڈی) میں درج معلومات سے آگاہ کیا جائے۔

☆ معذوری کے شکار تمام افراد کو کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ جاری ہونے چاہئیں۔

☆ حکومت کو چاہیے کہ وہ معذوری کے شکار افراد کی مردم شماری پر خصوصی توجہ دے۔

☆ انتخابی عمل میں معذوری کے شکار افراد کی شمولیت یقینی بنائی جائے اور انہیں متعلقہ معلوماتی مواد تک رسائی دی جائے تاکہ وہ انتخابی عمل میں حصہ لینے کے دوران سوچے سمجھے فیصلے کر سکیں۔

☆ سیاسی جماعتوں کو اپنے پارٹی منشور میں معذور افراد سے متعلق پالیسی اور لائحہ عمل شامل کرنا چاہیے اور اسے منظر عام پہ لانا چاہیے۔

☆ معذوری کے شکار افراد (ملازمت اور بحالیِ نو) کے آرڈیننس 1981 کے تحت سرکاری ملازمتوں میں معذور افراد کا جو کوٹہ مختص کیا گیا ہے اُس پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔

☆ پاکستان کو چاہیے کہ وہ ملک میں معذوری کے شکار افراد کی پیشہ وارانہ بحالی نو اور روزگار کے عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) کے میثاق کا مکمل نفاذ کرے اور میثاق کے تحت عائد ذمہ داریاں پوری کرے۔

☆ معذوری کے شکار افراد کو نجی و سرکاری اداروں میں سہولیات فراہم کی جائیں۔

☆ معذوری کے شکار افراد کو اُن کے لیے مددگار آلات کی مفت فراہمی کو یقینی بنایا جائے مثال کے طور پر چھڑیاں، وہیل چیئرز اور قوت سماعت یا بصارت سے متاثرہ افراد کو سننے اور دیکھنے کے آلات مفت دیے جائیں یا کم از کم اُن آلات کی خریداری پر ٹیکس لاگو نہ کیا جائے۔

☆ معذوری کے شکار افراد کے کنونشن (سی آر پی ڈی) میں درج معذور افراد کے حقوق کو تدریسی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔

☆ ایسی تعلیمی پالیسیاں تشکیل دی جائیں کہ معذوری کے شکار بچے عام بچوں میں گھل مل سکیں اور ان کے ہمراہ ملک کے مرکزی تعلیمی نظام سے استفادہ کر سکیں۔

☆ بنیادی، ثانوی، اعلیٰ اور پیشہ وارانہ تعلیم کے اداروں میں معذوری کے شکار طالب علموں کو میرٹ پر داخلہ لینے کا حق دینے کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے مختص کوٹہ پر سختی سے عملدرآمد کروایا جائے۔

☆ معذوری کے شکار افراد کو ہر قسم کے استحصال سے بچاؤ کے لیے مؤثر لائحہ عمل تشکیل دیا جائے۔ (معذور افراد کو اپنے مفاد کے لیے بھیگ منگوانے والے گروہوں یا اپنے ذاتی نفع کے لیے فلاح و بہبود کے ادارے قائم کرنے والے لوگوں سے ان کا تحفظ بھی اس لائحہ عمل کا حصہ ہونا چاہیے)۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور - 54600
فون: 042-35838341-35864994-35865969 ، فیکس: 042-35883582
ای میل : hrcp@hrcp-web.org، ویب سائٹ: www.hrcp-web.org

کراچی میں سیلاب مختلف دائرہ ہائے اختیار کا نتیجہ ہے

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی جاری کردہ ایک فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ میں شہر کے مخصوص سیاسی جغرافیے کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں بیک وقت مختلف دائرہ ہائے اختیار، جیسے کہ مقامی، صوبائی، وفاقی اور کینٹونمنٹ موجود ہیں جن کے مقاصد اکثر ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں۔ کمیشن تجویز کرتا ہے کہ کراچی کی اراضی کا انتظام وانصرام کرنے والے اداروں کو یا تو ایک مرکزی ادارے کو جوابدہ یا پھر خودمختار بنایا جائے۔ جولائی اور اگست میں مون سون بارشوں کے دوران مناسب فیصلہ سازی کی کمی شہر کی تمام سرگرمیوں میں تعطل کی ایک بڑی وجہ ہوسکتی ہے۔

رپورٹ میں کراچی کے لیے ایک بااختیار مقامی حکومت کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں مزید کہا گیا ہے کہ بنیادی مسئلہ شہر کے دائرہ اختیار سے متعلق مسائل کو پہلے حل کرنا، مقامی حکومت کو مقامی ٹیکس عائد کرنے کا اختیار دینا اور پھر ان ٹیکسوں سے مقامی ضروریات کو پورا کرنا، اور شہری ترقی کے مرکزیت پر مبنی ماڈل کو تبدیل کرنا ہے تاکہ کراچی کے دورافتادہ علاقوں کو بھی بحث کا حصہ بنایا جاسکے۔

شہری منصوبہ سازوں، انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں، ماہرین تعلیم اور سیلاب سے متاثر ہونے والے شہریوں کے ساتھ وسیع مشاورتوں کی بنیاد پر یہ رپورٹ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ کراچی میں شہری منصوبہ بندی اور پالیسی سازی میں غریبوں کے خلاف تعصب کا عنصر موجود ہے۔

کراچی کے قدرتی نالے یا تو تجاوزات کی وجہ سے بند یا پھر کچرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کے پی ٹی آفیسرز ہاؤسنگ سوسائٹی اور نجی تعمیراتی کمپنیوں سمیت کئی عناصر ریاستی اداروں کی ملی بھگت سے ان تجاوزات کے ذمہ دار ہیں۔ اس کے باوجود، جب بھی کراچی میں سیلاب آتا ہے تو غریبوں کی قائم کردہ تجاوزات کو ہی سب سے بڑا مسئلہ قرار دیا جاتا ہے۔

ایچ آر سی پی نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ کراچی کی شہری منصوبہ بندی میں اعلیٰ عدالتوں کی مداخلت بھی ایک مسئلہ ہے کیونکہ اس کا نتیجہ غریبوں کے خلاف انسدادِ تجاوزات مہمات کی صورت میں نکلتا ہے جس سے عدم مساوات اور غربت میں اضافہ ہوتا ہے۔ آخر میں، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پالیسی سازی، منصوبہ بندی اور نفاذ میں غریبوں کے خلاف تعصّبات کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 20 دسمبر 2020]

فہرست

پریس ریلیز	03
دکھ بھرا سال	04
2020: مذہبی اقلیتوں کے لیے ایک اور بُرا سال	05
انسانی حقوق اور میڈیا	10
انسانی حقوق کا عالمی دن	15
16 دسمبر 1971ء کا سبق	17
معروف بلوچ سیاسی کارکن کریمہ بلوچ کی لاش ٹورنٹو سے برآمد	18
انسانی حقوق کے لیے پیروکاری (ایڈووکیسی کی مہارتیں	19
سکھر پولیس، وکیل کے اغوا اور قتل کی ذمہ دار قرار	20

دکھ بھرا سال

حارث خلیق

ایک ایسے ملک میں جہاں فلسفہ زیادہ تر سرکاری اور نجی کالجوں و جامعات تک میں نہیں پڑھایا جاتا، اور جہاں ریاست وسماج کی جانب سے کسی بھی طرح کے منطقی استدلال یا منطقی فکر کو ختم کرنے کی ایک منظم کوشش رواں دواں ہے، وہاں قاضی جاوید اور اشفاق سلیم مرزا جیسے لوگوں کا بچھڑ جانا ایک ناقابل برداشت دُکھ معلوم ہوتا ہے۔

یہ سوچ کر دکھ کا احساس زیادہ گہرا ہو جاتا ہے کہ دونوں ہستیوں نے اُردو کو اپنے اظہار کا بنیادی ذریعہ بنایا تھا۔ اِن کے جانے سے، اُردو میں سنجیدہ علمیت، جو پہلے ہی ناپید ہو رہی تھی، کو بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑا ہے، خاص طور پر، فلسفے کے شعبے میں اصلی تحریر اور تراجم کے میدان میں۔ اب ایسا کوئی شخص بمشکل ہی بچا ہے جس کا وُہی مرتبہ ہو، یا جو اس طرح سے خدمات انجام دے سکتا ہو جس انداز میں جاوید اور مرزا نے دانش کے ویران گوشے کو منطقی سوچ سے روشن کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں۔

ہمارے پاس اُردو کی زبان کے کچھ معروف نام ہیں، مگر ان میں سے زیادہ تر نے ادب کے عدسے لگائے ہوئے ہیں۔ مکمل طور پر فلسفیانہ نقطہ نظر سے، ایسے چند ہی لوگ ہیں، جو انسانی وجود اور سماج نظام کے گرد گھومتے سوالات کی کھوج لگانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

جاوید نے *برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقا* سے لے کر *تاریخ و تہذیب* تک لگ بھگ دو درجن کتابیں رقم کی ہیں۔ اُن کی نظر بہت وسیع تھی اور اُنہوں نے مغربی فلسفے و فلاسفرز، تاریخ، نوآبادکاری کا اثر، پنجاب کے صوفی شعراء اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کے متعلق کافی کچھ لکھا۔ انہوں نے مغربی فلسفے اور اسلامی مذہبی فکر کے مشترکہ اصولوں کی کھوج بھی لگائی۔ جاوید ایک سادہ مزاج آدمی تھے اور اُن انتہائی قلیل افراد میں شمار ہوتے ہیں جنہوں ہم ایسوں کو اپنے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔

مجھے جاوید کو جاننے کا شرف حاصل ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے جونیئرز کو بڑی مسکراہٹ اور گہری شفقت سے ملتے تھے۔ مگر مرزا کی وفات انتہائی گہرا ذاتی خسارہ ہے۔ وہ میرے لیے، ایک قریبی دوست، فلاسفر اور رہنماء کی حیثیت رکھتے تھے۔ مرزا کا جاوید کے ساتھ قریبی تعلق تھا مگر اُن کے برعکس، مرزا کو کامل یقین تھا کہ مغربی فلسفیانہ سوچ اور مذہبی نظریات میں کسی قسم کا ربط ممکن نہیں۔

وہ خالصتاً ایک عقل پرست اور منطق پر یقین رکھنے والے شخص تھے۔ وہ متوازی لکیریں کھینچتے، یا فلسفے اور مذہبی اصولوں کے مابین روابط ڈھونڈنے پر اعتراض پر سمجھوتہ کرنے کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہوئے۔ جاوید اخبارات کے لیے باقاعدگی کے ساتھ مضامین لکھتے تھے، اور مرزا بھی کچھ برسوں تک یہ کام کرتے رہے۔ مگر فلسفے کے ساتھ والہانہ وابستگی کے بعد، مرزا کو آرٹ کی سب شکلوں کے ساتھ حُب تھی اور انہوں نے سینما اور تھیٹر پر بھی قلم کاری کی تھی۔

مرزا بہت بڑے عالم فاضل اور لگ بھگ ایک درجن کتابوں کے مصنف تھے۔ مغربی فلسفے پر اُردو زبان میں عظیم الشان تحاریر کے خالق تھے۔ *فلسفہ: ایک نئی تعبیر* سے لے کر *مکیاولی سے گرامسکی تک* رقم کرنے کے علاوہ انہوں نے یونانی فلسفے اور ہومر کی ایلیڈ کے تراجم بھی کیے۔ انہوں نے عصر حاضر کی سیاست اور سماج پر انگریزی و اردو میں مضامین بھی لکھے۔ نثری نظموں کا مجموعہ بھی مرتب کیا۔ ان کا دوسرا مجموعہ اب ان کی وفات کے بعد شائع ہو گا۔ انہوں نے کئی مطبوعات غیر مکمل چھوڑی ہیں جن میں ایک عظیم الشان وادی سندھ کی تہذیب جبکہ دوسری چینی کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ اور سیاسی فکر (ماؤزے تنگ سے لے کر اب تک) پر ہے۔

مرزا آزاد سوچ کے حامل دانشور تھے اور اپنے افکار پر ہمہ وقت نظر ثانی کرتے رہتے تھے۔ خود سے نئے سوالات کرنے اور نئے جوابات تلاش کرنے میں محو رہتے تھے۔ ان کی دانشوری کا سفر چینی اشتمالیت کی طرف رجحان کے ساتھ ایک مارکیسٹ کے طور پر شروع ہوا جس کے باعث وہ بائیں بازو کی جماعتوں کی سیاست میں سرگرم عمل رہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ مزدور کسان پارٹی کے اہم عہدیداروں میں شمار ہوتے رہے، اور چند برسوں قبل تک، بائیں بازوں کی دیگر جماعتوں، گروپوں اور اتحادوں کی تشکیل میں قائدانہ کردار ادا کرتے رہے۔ ایسے گروہوں کی بنیادی دستاویزات اور دساتیر لکھنے کے لیے ان کی بہت زیادہ مانگ تھی۔

مگر اپنے متجسّس مزاج کی بدولت وہ ہمیشہ مارکسی اصولوں اور وضاحتوں پر سوال اٹھاتے رہتے تھے۔ وہ ان لوگوں کے سخت ناقد تھے جو کسی سیاسی نظریے کو ناقابلِ تبدّل اصول میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ مگر بیک وقت، وہ ان لوگوں کے لیے بہت زیادہ روادار تھے جو ان سے مختلف خیالات کا پرچار کرتے تھے۔ ان کی شخصیت مختلف صورتوں و رنگوں میں لپٹے ایسے فرد کی تھی جو آپ کو مختلف طرح کے خیالات و واقعات پر بحث کرتا نظر آئے گا۔

مجھے مرزا کے علاوہ ایسے چند ہی لکھاریوں کا علم ہے جن کی اردو کی تحریروں نے فریڈرک ہیگل اور کارل مارکس کو سمجھنے میں مدد دی۔ اِس خوبی کی بدولت وہ ہمیں سید محمد تقی، سبطِ حسن اور علی عباس جلال پوری اور مارکسی نظریے کے گنتی کے دانشوروں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ انہیں ہیگل کی تاریخ کے فلسفے میں خاص دلچسپی تھی اور اس سے متاثر تھے۔

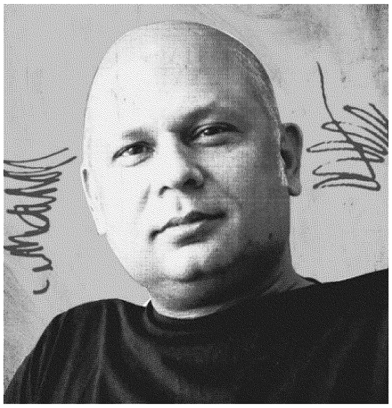

اگرچہ مرزا نے دنیا کو مختلف زاویے سے دیکھنے کی روش جاری رکھی اور اپنے آخری برسوں میں مارکسی فکر پر تنقید کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے تھے مگر اس کے باوجود وہ اپنے سیکولر اصولوں اور تنوع پسند اقدار کے لیے مخلص رہے۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ اُس وقت تک بہتری ممکن نہیں جبتک ہمارے معاشرے کے لوگوں کی مادی حالتوں میں مثبت تبدیلی نہیں آتی۔

سال 2020 مجھے اسلامی تاریخ کے اوائل کے ایک برس کی یاد دلاتا ہے جسے عام الحزن (دُکھ بھرا سال) کہا جاتا ہے۔ ہم نے وباء کی بدولت دنیا بھر میں اپنے اردگرد کئی لوگ کھوئے ہیں۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے، ادباء و دانشوروں کی وفات چاہے وبا کی وجہ سے یا دیگر اسباب سے ہوئی، بہت بڑا خسارہ ہے۔ دانش کے لحاظ سے متحرک سماج میں وقت گزرنے کے ساتھ کئی اور لوگ ایسے لوگوں کی جگہ لے لیتے ہیں؛ پاکستان میں، البتہ، علمیت کے میدان میں نہ تو ہم نے تنقیدی سوچ رکھنے والی قبیل تیار کی ہے اور فی الوقت نہ ہی منطقی سوچ اور تعلیمی آزادی کے لیے سازگار فضا پیدا کرنے کی خواہش نظر آتی ہے۔ اس لیے، جب جاوید اور مرزا جیسے لوگ بچھڑ جائیں تو یہ خلا شاذ و نادر ہی پُر ہوتا ہے۔

مرزا کی رحلت سے قبل، اُن کے ساتھ میری آخری گفتگو، ایلیڈ کے اردو ترجمے پر ہوئی تھی جو وہ کر رہے تھے۔

میں اُن سے ایک دو ہفتے پہلے ملا تو وہ تندرست و توانا تھے۔

مرزا 76 برس اور جاوید 74 برس کے تھے۔ اُن کی موت پر، مُجھے فیض احمد فیض کا شعر یاد آیا جو انہوں نے جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری کی وفات کے فوری بعد کہا تھا:

ایک ساتھ آئے ایک ساتھ گئے
عصر حاضر کے میر اور سودا

کالم نگار ایک شاعر اور مضمون نگار ہیں، اور اس وقت ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سیکرٹری جنرل کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔

2020: مذہبی اقلیتوں کے لیے ایک اور بُرا سال

ندیم عباس

آپ آزاد ہیں؛ آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ اِس ریاستِ پاکستان میں اپنی مساجد یا کسی بھی دوسری عبادت گاہ جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو؛ اِس کا ریاست کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ (11 اگست 1947 کو محترم جناح کا پاکستان کی آئین ساز اسمبلی سے خطاب)

اگر قائد کے اِن کے الفاظ کو ملک کے دستور کا افتتاحیہ اور نا قابلِ تبدّل بنیادی ڈھانچہ قرار دیا جاتا تو آج ہم اُن بہت سے مسائل کا نشانہ نہ بن رہے ہوتے جن سے دوچار ہیں، اور انسانی حقوق کے حوالے سے پاکستان کا شمار اُن ممالک میں ہوتا جو حقوق کی پاسداری کے حوالے اچھی شہرت رکھتے ہیں۔

مگر افسوس کہ اِس کے برعکس، قرارداد مقاصد کی شکل میں ایک ایسی دستاویز منظور کر کے اسے دساتیر کا افتتاحیہ اور پھر بعد میں آئینِ 1973 کا لازمی حصہ قرار دے دیا گیا، جس نے ریاستی معاملات اور مذہب کے تعلق اور نتیجتاً ریاست و بنیاد پرست مُلّا کے گٹھ جوڑ کا سنگِ بنیاد رکھا، قوم میں مذہب کی بنیاد پر لکیر کھینچی، اور یوں شہریوں کے ایک خاص حصے کے ساتھ مظالم اور امتیازی سلوک کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو رکنے کو نہیں آ رہا۔

البتہ، بنیادی حقوق و جمہوری اصولوں کے برخلاف ہونے والے قانونی و انتظامی اقدامات کے باوجود، ریاست نے حقوق کی حفاظت کے لیے کچھ آئینی بندوبست بھی کر رکھا ہے، جن پر حقیقی معنوں میں عملدرآمد کیا جائے، نیز، دیگر حقوق-مخالف قوانین کو اُن کی مطابقت میں لایا جائے تو حقوق و آزادیوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں کچھ آئینی دفعات کا حوالہ موجود ہے جو مذہبی آزادی، قانون کی نظر میں برابری اور قانون کے مساوی تحفظ کی ضمانت دیتی ہیں۔

حقوق کی ضامن آئینی دفعات

پاکستان کا 1973 کا آئین مذہب یا عقیدے کی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ "مذہب کی پیروی اور مذہبی اداروں کے بندوبست کی آزادی" سے متعلق شِق 20 کہتی ہے کہ:

قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع: (الف) ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہوگا (ب) ہر مذہبی گروہ اور ہر فرقے کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے، انہیں برقرار رکھنے اور ان کا بندوبست کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

آئین کے بنیادی حقوق کے باب کے جُز کی حیثیت سے شِق 20 کی ضمانت عدالتوں کے ذریعے قابلِ اطلاق حق ہے۔

مذہبی آزادی کی دوسری بڑی ضمانت آئین کی شِق 22 ہے جس کی رو سے کسی تعلیمی ادارے میں کسی فرد کو اُس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی دیگر مذہب کی تعلیم لینے پر یا کسی تقریب میں شرکت یا شمولیت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

آئین کی شِق 25 میں قانون کی نظر میں تمام شہریوں کی برابری، اور قانون کے مساوی تحفظ کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تاہم، اِن دفعات کو حقیقی معنوں میں بامعنی و مفید بنانے کے لیے اِن کے اطلاق کو یقینی بنانا ضروری ہے۔

زیرِ نظر رپورٹ میں سال 2020 کے دوران اقلیتوں کی جان و مال کے لیے مہلک ثابت ہونے والے بعض واقعات کا ذکر ہے۔ یہ پاکستان میں پیش آنے والے ایسے افسوسناک واقعات کی حتمی فہرست نہیں ہے مگر وطنِ عزیز میں ان برادریوں جنہوں نے ملک کی ترقی و استحکام میں اکثریتی آبادی سے کسی طور بھی کم حصہ نہیں ڈالا، کی کربناک کیفیت کی عکاسی ضرور کرتی ہے۔ وقت اور صفحات کی کمی جیسی مصلحتوں کے پیشِ نظر، صرف چار اقلیتی گروہوں ہندو، سکھ، مسیحی اور جماعتِ احمدیہ (احمدی کو غیر مسلم قرار دینے والا قانون بین الاقوامی اصولوں پر پورا نہیں اترتا، لہذا متنازعہ حیثیت کا حامل ہے) کے لوگوں کا چناؤ کیا گیا ہے۔

ملک کی ہندو برادری کی حق تلفی کی داستانیں:

تعداد: ہندو ملک کی سب سے بڑی غیر مسلم آبادی ہے۔ حالیہ ترین مردم شماری کے غیر حتمی نتائج کے مطابق، پاکستان کی ہندو آبادی کل آبادی کا ایک اعشاریہ ساٹھ فیصد ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ ملک کی ہندو برادری لگ بھگ 3324392 افراد پر مشتمل ہے۔

توہینِ مذہب کے مقدمات: مئی میں میرپورخاص میں، سندھ میں پرتشدد مظاہرے شروع ہوئے۔ جانوروں کے امراض کے ایک ڈاکٹر جس کا تعلق ہندو مذہب سے تھا، پر الزام تھا کہ اُس نے اسلامی آیات والے ایک کاغذ میں دوائی لپیٹ کر کسی کو دی تھی جس کے ردعمل میں ہندو برادری کے خلاف پُرتشدد احتجاجی مظاہرے شروع ہوگئے، بالآخر، پولیس نے ڈاکٹر کو گرفتار کر لیا جس کے بعد حالات قابو میں آئے۔ ملزم کا کہنا تھا کہ وہ سکول کے استعمال شدہ کاغذات استعمال کرتا تھا اور اُسے نہیں معلوم تھا کہ ان کاغدات پر کوئی

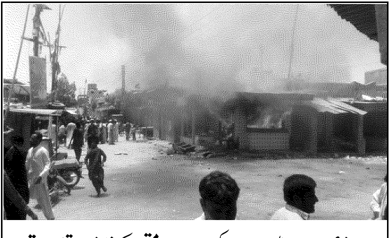

میرپورخاص، سندھ میں مذہب کی مبینہ بے حرمتی کے خلاف پرتشدد احتجاج

اسلامی کلمات لکھے ہوئے تھے۔

02 نومبر کو کراچی کے علاقے لیاری میں ہندو برادری کے گھروں کے سامنے ایک مشتعل ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ ہجوم نے ہندوؤں سے ایک ہندو نوجوان کی حوالگی کا مطالبہ کیا جس نے اُن کے بقول اسلام کی شان میں توہین آمیز کلمات کا مرتکب ہوا تھا۔ ہجوم لیاری کے ایک مندر میں گھس گیا اور عبادت گاہ کی بے حرمتی کی۔ برادری نے خوفزدہ ہو کر مشتبہ لڑکے کو پولیس کے حوالے کر دیا۔[2]

اگلے دن شہداد پور، سندھ میں مسلمانوں کے ایک مشتعل اجتماع نے ہندو میگھواڑ برادری کے گھروں کے سامنے پُرتشدد احتجاج کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میگھواڑ برادری کے ایک شخص نے اسلام کی توہین کی تھی۔ ملزم کو گرفتار کیا گیا۔[3]

مذہب کی جبری تبدیلی اور جبری شادیاں: ہندو لڑکیوں، خاص طور پر کمسن بچیوں کے مذہب کی جبری تبدیلی اور جبری شادی ہندو برادری کے لیے بہت بڑی تشویش کا سبب بنی ہوئی ہے۔ ایسے زیادہ تر واقعات کی اطلاعات سندھ سے موصول ہوتی ہیں۔

گذشتہ برسوں کی طرح 2020 کا برس بھی ایک ہندو کمسن بچی کے مذہب کی جبری تبدیلی اور جبری شادی کے وقوعے سے شروع ہوا۔ تفصیلات کے مطابق، 15 جنوری کو کمسن مہک کماری سکول جانے کے لیے گھر سے نکلی مگر واپس نہ پلٹی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ امروٹ شریف مزار میں علی رضا نامی لڑکے کے ساتھ رہ رہی ہے۔ پولیس نے دونوں کو عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے لڑکی کا طبی معائنہ کروایا جس سے پتہ چلا کہ وہ کمسن ہے اور شادی کرنے کے اہل نہیں ہے۔ عدالت نے کمسن

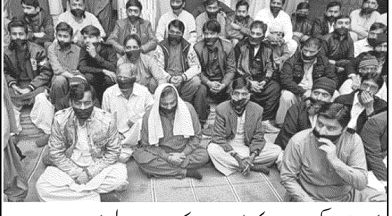

جیکب آباد، کمسن ہندو بچی کے مذہب کی جبری تبدیلی کے خلاف احتجاج

https://www.bbc.com/news/world-asia-48438333 (1) https://thewire.in/south-asia/pakistan-blasphemy-cases-hindu-community-apprehensive (2)

https://thewire.in/south-asia/pakistan-blasphemy-cases-hindu-community-apprehensive (3)

https://www.dawn.com/news/1535288 (4) https://www.dawn.com/news/1535288 (5)

https://www.dawn.com/news/1548550 (6) https://www.dawn.com/news/1592945 (7)

بچی کی شادی میں ملوث تمام افراد کے خلاف کاروائی کا حکم صادر کیا۔[4]

جمعیت علمائے اسلام (ایف) اور جماعت اسلامی کے جیک آباد چیپٹر نے پریس کانفرنس کی جس میں کہا گیا کہ بچی کے مذہب کی تبدیلی اور شادی شریعت کے عین مطابق ہے اور مطالبہ کیا کہ بچی کو لڑکے کے حوالے کیا جائے۔[5]

پیپلز کمیشن فار مینارٹیز رائٹس اور مرکز برائے سماجی انصاف نے مذہب کی جبری تبدیلی کے 156 واقعات قلمبند کیے جو 2013 سے 2019 کے دوران پیش آئے۔ ان میں سے زیادہ تر واقعات میں متاثرہ لڑکیاں کم عمر تھیں۔ زیادہ تر کی عمر 12 برس کے اردگرد تھی۔[6] مرکز برائے سماجی انصاف کے اعداد وشمار کے مطابق، جن عورتوں کا زبردستی مذہب تبدیل کیا گیا ان میں سے 54.3 فیصد کا تعلق ہندو برادری سے تھا۔[7]

انسانی حقوق کے کارکنوں کے مطالبات کے باوجود لڑکیوں کی شادی کی کم از کم عمر کے تعین کے لیے سندھ کے سوا کسی اور صوبے تک ابھی تک کوئی قانون سازی نہیں کی۔

مندروں پر حملے: مندروں پر حملوں، اُن کی بے حرمتی و مسماری کی اطلاعات بھی ملتی رہیں۔ اِس برس ایسے دلخراش واقعات کی ابتدا تھر پارکر کے قصبے چھاچھرو سے شروع ہوئی جہاں جنوری کے اوائل میں کچھ مسلمان افراد نے ایک مندر پر چڑھائی کر کے اس کے تقدس کو پامال کیا اور ملک کی سب سے بڑی غیر مسلم آبادی کے مذہبی جذبات کو مجروع کیا۔ بعد میں چار کمسن مسلمان لڑکوں کو گرفتار کیا گیا جنہوں نے اعترافِ جرم کرتے ہوئے کہا کہ اُنہوں نے مندر پر حملہ وہاں پر پڑی نقدی لوٹنے کی غرض سے کیا تھا۔[8] اکتوبر میں بدین کے علاقے کاریو گھنوار جبکہ اکتوبر کی ہی رات ننگر پارکر میں ایک مندر پر حملے کا افسوسناک وقوعہ پیش آیا۔

ایسے ہی ایک واقعہ کی اطلاع کراچی کے علاقے لیاری سے ملی جہاں اکتوبر 2020 کے آخر میں ایک مشتعل ہجوم نے ایک مندر پر دھاوا بولا اور اس کے تقدس کو پامال کرنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی۔ اطلاعات کے مطابق، یہ چڑھائی ایک ہندو لڑکے پر اسلام کی توہین کے مبینہ الزام کے ردِعمل میں کی گئی۔[9]

اسلام کی آڑ میں عبادت گاہ کی تعمیر کی مخالفت

ایک اطلاع کے مطابق، تقسیمِ ہند کے وقت پاکستان میں موجود 1300 فعال مندروں میں سے اب صرف 300 کے قریب فعال ہیں۔[10] ایسی کئی جگہیں ہیں بشمول بڑے شہر جہاں ہندوؤں کی اچھی خاصی تعداد رہتی ہے مگر اُن کے لیے عبادت کا کوئی بندوبست موجود نہیں، نہ ہی ان کے مُردوں کی آخری رسومات کے لیے شمشان گھاٹ یا برادری کی تقاریب کے لیے کوئی کمیونٹی سنٹر ہے۔ ملک کا دارالسلطنت اسلام آباد بھی ایسا ہی ایک شہر ہے جاں لگ بھگ 3000 ہندو مقیم ہیں۔ ہندوؤں کے حقوق بشمول مذہبی تعلیمات پر عملدرآمد اور عبادات کی آزادی کے حق کے لیے حکومتی سطح پر اگر کچھ اعلانات ہوئے بھی تو بعض شدت پسند مذہبی عناصر اور قدامت پسند سیاسی حلقوں کی مخالفت کے باعث ان پر عملدرآمد روک دیا گیا۔

تھر پارکر میں مشتعل ہجوم کا ایک مندر پر حملہ

ایسا ہی ایک اعلان موجودہ حکومت نے جون میں اسلام آباد کے ایچ/9 سیکٹر میں ایک ہندو مندر کی تعمیر کے متعلق کیا تھا۔ 24 جون کو مندر کے سنگِ بنیاد کی ایک سادہ سی تقریب بھی منعقد ہوئی۔[11] مگر اس کے فوری بعد معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا۔ جیسا کہ اکثر اس طرح کے واقعات میں ہوتا ہے: ایک مشتعل ہجوم آیا، مندر کی جگہ پر توڑ پھوڑ اور نعرے بازی کی، وہاں اذان دی اور دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا۔[12] بعض مذہبی سیاسی جماعتوں جیسے کہ جمعیت علمائے اسلام، جمعیت اہلِ حدیث، اور لال مسجد جیسے گروہوں نے مندر کی تعمیر کی مخالفت کی اور اِسے شریعت کے منافی اقدام قرار دیا۔[13] اس کے علاوہ، پنجاب اسمبلی کے سپیکر اور پاکستان مسلم لیگ قائداعظم کے رہنماء پرویز الٰہی نے کہا کہ "اسلام آباد میں مندر کی تعمیر نہ صرف اسلام کی روح کے خلاف ہے بلکہ "ریاستِ مدینہ' کی توہین بھی ہے۔[14] پلاٹ کی چاردیواری تعمیر کی جا رہی تھی کہ سی ڈی اے نے آ کر اسے روک دیا۔ ایک شہری نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں بھی اسے چیلنج کر دیا۔ حکومت نے معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دیا جس نے کہا کہ ملک میں مندر، شمشان گھاٹ اور ہندو کمیونٹی سنٹر کی تعمیر شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق، سی ڈی اے نے مذکورہ پلاٹ پر شمشان گھاٹ کی چاردیواری تعمیر کرنے کے لیے عدمِ اعتراض سند جاری کر دی ہے۔ تاہم سی ڈی کے اہلکار نے کہا کہ یہ این او سی صرف شمشان گھاٹ کی چاردیواری کے لیے ہے جہاں تک مندر اور کمیونٹی سنٹر کا معاملہ ہے تو اس پر ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔[15]

ہندو آبادی کے گھروں کی مسماری: ضلع بہاولپور کے شہر یزمان کے چک (گاؤں) 52/ڈی بی میں مقامی انتظامیہ نے ہندو برادری کے کئی گھر مسمار کر دیے۔ چک 52 / ڈی بی میں صوبائی حکومت کی زیرِ ملکیت ریت کے ٹیلوں پر مشتمل پچاس ایکڑ اراضی خالی پڑی ہوئی تھی۔ 04 جنوری 2018 کو میاں رام ولد بھوریا رام اور رویا ولد کالو نے ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کو پٹیشن جمع کروائی کہ 'پانچ مرلہ 'منصوبے کی مطابقت میں، چک نمبر 52 / ڈی بی میں کھاتونی 278، کھاتہ 102، مربع 241 میں واقع کلہ جات 11-25 ہندو برادری کو الاٹ کیے جائیں کیونکہ ہندو برادری کے پاس رہائش کے لیے اراضی نہیں ہے۔

7 دسمبر 2018 کو ڈپٹی سیکریٹری کالونیز، ریونیو بورڈ (پنجاب) نے نوٹیفکیشن 2172-2018 جاری کیا جس میں تجویز پیش کی کہ کھاتہ 102، کھاتونی 278 میں کلہ جات 11-25 میں ساڑھے بارہ ایکڑ (یا 100 کنال) اراضی ہندو برادری کے لیے وقف کی جائے۔ اسسٹنٹ ڈپٹی کمشنر بہاولپور کو ہدایت کی گئی کہ وہ اراضی کی اس تخصیص کو مکمل کرنے کے لیے قانون، اصول اور پالیسی' کے تحت ضروری کاروائی کریں؛' جناح کالونی' کے نام سے پانچ مرلہ اسکیم کا نقشہ بھی کھینچا گیا۔ چنانچہ، کونسلر منشا رام، دھرما رام، بھاگیا رام، تلشا رام، مولیا رام، چیتا رام، راملا، روپا، روکڑی رام، جیون رام، کنیا رام، سروپ رام، سجانیا رام، رامیا رام، یاترا رام، ماہیا رام، سرامیا رام، لالا رام، اور تترما رام سمیت ہندو برادری کے لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اپنے نئے گھر تعمیر کرنا شروع کر دیے۔

20 مئی 2020 کو اسسٹنٹ کمشنر یزمان نے اُن گھروں کی تعمیر کو غیر قانونی قرار دیا اور حکم دیا کہ ہندو برادری کے تمام 35 گھروں کو گرا دیا جائے۔ دوپہر کے وقت، ایک اشٹام فروش، تحصیلدار، حلقہ پٹواری اور یزمان تھانہ صدر (مرکزی پولیس اسٹیشن) کے پولیس اہلکاروں نے میونسپل کارپوریشن کے بلڈوزر استعمال کرتے ہوئے گھر گرانا شروع کر دیے۔ متاثرہ ہندو برادری کے لوگوں نے احتجاج کیا تو تحصیلدار نے دھمکی دی کہ جس کسی نے مزاحمت کی اسے گرفتار کیا جائے گا۔ 35 میں سے 25 گھروں کو مکمل طور پر زمین بوس کیا گیا جبکہ 10 کو جزوی طور پر توڑا گیا۔[16]

https://www.dawn.com/news/1530851(8)

https://www.timesnownews.com/international/article/hindu-temple-vandalised-idols-desecrated-in-pakistans-karachi-over-blasphemy-allegation/676415(9)

https://www.dawn.com/news/1564798/groundbreaking-of-first-hindu-temple-in-capital-held(11)https://thewire.in/religion/islamabad-temple-high-court-imran-khan(10)

https://www.dawn.com/news/1566799(13) https://thewire.in/religion/islamabad-temple-high-court-imran-khan(12)

https://www.dawn.com/news/1566408/pml-q-opposes-hindu-temple-in-islamabad(14)

https://www.dawn.com/news/1597122/hindu-community-issued-noc-for-boundary-wall-around-cremation-site-in-capital(15)

http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2020/06/Demolition-of-Hindu-homes-in-Yazman_fact-finding-report-FINAL.pdf(16)

روزگار کے میدان میں امتیازی سلوک: ہندوؤں کو دیگر اقلیتی برادریوں کی طرح معیشت کے میدان میں اپنے عقیدے کی وجہ سے امتیاز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کراچی کے شہری علاقوں میں ایک تحقیقی مشق کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ بعض انتہائی تعلیم یافتہ ہندو نوجوانوں جن کے پاس جدید پیشہ ورانہ تعلیم بھی ہے، کو دیہاڑی دار مزدور کی ملازمت کرنا پڑ رہی ہے۔ اُن کے بقول، اِس کی ایک بڑی وجہ اُن کا عقیدہ ہے۔ ایسے حقائق بھی سامنے آئے ہیں کہ کئی ہندو مردوں اور عورتوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا گیا اور انکار کرنے پر انہیں اپنے پیشہ ور ساتھیوں یا سینیئرز کی جانب سے ہراسانی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔[17] بعض کارخانوں جیسے کہ روئی یا دالیں بنانے کے کارخانے میں غیر مسلم مزدوروں کو مسلمان مزدوروں کی نسبت 3000 روپے کم تنخواہ دی جاتی تھی[18] جس کی بظاہر سبب ان کا مذہبی پس منظر تھا۔

سکھ برادری کے مصائب

تعداد: حالیہ ترین مردم شماری کے نتائج سکھوں کی قطعی تعداد بتانے سے قاصر ہیں کیونکہ مردم شماری کے فارم میں سکھوں کو 'دیگر مذاہب' کے زمرے میں شامل کیا گیا تھا جس پر سکھ برادری نے اعتراض بھی تھا۔

گردوارہ جنم استھان کا گھیراؤ: برس کا آغاز گردوارے ننکانہ صاحب کے گھیراؤ سے ہوا۔ سینکڑوں کی تعداد میں ایک مشتعل ہجوم جس کے ہاتھوں میں ڈنڈے اور پتھر تھے، سکھوں کے مقدس مقام کی طرف مارچ کیا، گردوارے پر پتھراؤ کیے، گردوارے کی غارت گری کرنے کی دھمکی دی، سکھ برادری کے خلاف گالم گلوچ کی اور ننکانہ صاحب کا نام تبدیل کر کے گلشنِ مصطفیٰ رکھنے اور کسی ایک سکھ کو بھی نہ چھوڑنے کی دھمکیاں دیں۔ ایک سکھ لڑکی جگجیت سنگھ کے مذہب کی مبینہ جبری تبدیلی اور مسلمان لڑکے محمد احسان کے ساتھ زبردستی کی شادی اس واقعے کا پس منظر بتایا جاتا ہے۔ تفصیلات کے مطابق، پولیس نے چھ افراد کے خلاف مقدمہ درج کر کے مرکزی ملزم کو گرفتار کیا تھا جس کے ردِعمل میں ملزم محمد احسان کے بھائی محمد عمران نے ایک مشتعل ہجوم کی قیادت کی اور یوں انہوں نے گردوارے کی بے حرمتی کی اور سکھ برادری میں خوف و ہراس کی لہر پیدا کی۔ بالآخر حکومت مظاہرین کے آگے گھٹنے ٹیکے اور گرفتار ملزم کی رہائی کا وعدہ کیا جس کے بعد وہ منتشر ہوئے۔[20]

زندگی کو لاحق خطرات: سال کے پہلے ہفتے کا آغاز گردوارہ ننکانہ صاحب کے گھیراؤ سے ہوا تو اختتام ایک سکھ نوجوان رویندر سنگھ کے قتل سے ہوا جسے 06 جنوری کو خیبر پختونخوا کے دارالخلافے پشاور میں نشانہ بنایا گیا۔[21] پولیس اہلکاروں کا کہنا تھا کہ رویندر سنگھ شانگلہ سے اپنی شادی کے لیے ساز و سامان کی خریداری کے لیے پشاور آئے تھے۔ اگلے ہفتے اُن کی شادی طے تھی۔

انسانی حقوق کے کارکن اور سیاسی رہنماء ردیش سنگھ ٹونی اُن کے خاندان کو دھمکیوں اور حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلے وہ پشاور سے لاہور منتقل ہوئے اور بقول اُن کے پھر بھی خطرات میں کمی نہ آئی اور اُن پر چند غنڈہ گردوں نے حملہ کیا تو وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ردیش سنگھ کے بقول انہیں ان کے سماجی و سیاسی کارکن ہونے کی بدولت دھمکیاں مل رہی تھیں جو ان کی ملک بدری کا سبب بنیں۔[22]

رنجیت سنگھ کے مجسمے کی توڑ پھوڑ: ماہ اگست کو لاہور کے شاہی قلعے میں نصب پنجاب کے سابق مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مجسمے کو دو افراد نے مبینہ طور پر توڑ دیا جو اُن کی قبر کے قریب نصب تھا۔ شاہی قلعہ معمول کے مطابق شہریوں کے لیے کھلا تھا جہاں دو افراد داخل ہوئے جن میں سے ایک بظاہر پاؤں سے معذور تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اور دوسرا شخص چلنے میں ان کو سہارا دے رہا تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہی دونوں افراد سیدھے مجسمے کی طرف گئے اور ڈنڈوں سے مجسمے کو مارنا شروع کر دیا جس سے ایک بازو ٹوٹ گیا، جبکہ دیگر حصوں کو بھی نقصان پہنچا۔ سیکیورٹی گارڈز موقع پر پہنچے اور مجسمے کو توڑنے والوں کو پکڑ لیا جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ حملہ آوروں کا دعویٰ تھا کہ ان کے جسم میں جنوبی ایشا کی تاریخ کے معروف جنگجو سلطان محمود غزنوی کی روح موجود ہے۔ حملہ آوروں کا ماننا تھا کہ یہ ان کے مذہب کے خلاف ہے کہ ایک مسلم ملک میں مجسمہ تعمیر کیا جائے اور اگر انتظامیہ نے اسے نہیں ہٹایا تو وہ یہ عمل دوبارہ کریں گے۔[23]

گردواروں سے منسلک املاک کی نیلامی کا معاملہ: سکھوں کی ایک بڑی شکایت یہ ہے کہ ٹرسٹ بورڈ برائے متروکہ املاک (ای ٹی پی بی) ان کے گردواروں کو نیلام کر دیتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ بورڈ نے مبینہ طور پر گردواروں کی زمین ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو نیلام کر دی۔ ایسا ہی ایک کیس لاہور

گردوارہ جنم استھان ننکانہ صاحب کا گھیراؤ

سے رپورٹ ہوا جسے قومی و عالمی سطح پر کافی شہرت ملی جہاں بورڈ بی بی نانکی گردوارہ کی زمین کو ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کو فروخت کرنے والا تھا مگر لاہور ہائی کورٹ نے اس ممکنہ فروخت کو غیر قانونی قرار دے کر حکمِ امتناعی جاری کر دیا تھا۔[24] عدالت عظمیٰ بھی بورڈ کے سابق چئیرمین کو لینڈ مافیا کے ساتھ مل کر گردوارے کی اراضی فروخت کرنے کی ذمہ دار قرار دے چکی ہے۔[25] مگر ای ٹی پی بی کی طرف سے ایسے متنازعہ اقدامات رُکتے نظر نہیں آ رہے۔

2020 کے دوران بھی ایسے واقعات کی اطلاعات ملتی رہی ہیں۔ ایسے ہی ایک اقدام کو 10 اکتوبر 2020 کو پشاور ہائی کورٹ نے کالعدم قرار دیا۔ گردوارہ بھائی بیبا سنگھ پشاور کے ایک حصے کی بورڈ نے نیلامی کر دی تھی مگر عدالت نے اسے بنیادی حقوق کی پامالی قرار دیتے ہوئے منسوخ کر دیا۔[26]

مسیحی برادری کے حقوق کی پامالی

تعداد: پاکستان کی حالیہ ترین مردم شماری کے غیر حتمی نتائج کے مطابق، پاکستان کی مسیحی آبادی کُل ملکی آبادی کا ایک اعشاریہ اُنسٹھ فیصد ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ ملک کی مسیحی آبادی لگ بھگ 3303614 افراد پر مشتمل ہے۔

2020 کے دوران، مسیحی برادری کے لیے درج ذیل کاروائیاں تکلیف کا سبب بنی رہیں:

مذہب کی جبری تبدیلی: انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والے ایک ادارے کے کوائف کے مطابق، گذشتہ کچھ برسوں سے مذہب کی جبری تبدیلی کا شکار ہونے والی عورتوں میں سے 44.44 فیصد کا تعلق مسیحی برادری سے تھا۔ متاثرین میں سے 46.3 فیصد کمسن بچیاں تھیں (کچھ 32.7 فیصد کی عمر 11 سے 15 برس کے درمیان تھی)، جبکہ صرف 16.6 فیصد کی عمر 18 برس سے زائد تھی۔[27]

جمع شدہ کوائف کے مطابق، ایسے 52 فیصد واقعات پنجاب سے رپورٹ ہوئے، چوالیس فیصد سندھ، ایک

http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2019/10/Discrimination-and-Inequality-in-Employment-FINAL.pdf (17)
http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2019/10/Discrimination-and-Inequality-in-Employment-FINAL.pdf (18)
https://www.dawn.com/news/1526068 (20) https://www.pakistantoday.com.pk/2020/01/04/mob-attack-on-gurdwara-nankana-sahib-tests-govt/(19)
http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2020/06/Conspicuous-by-its-absence.pdf (22)https://thefrontierpost.com/ravinder-singh-gunned-down-in-peshawar/ (21)
https://www.dawn.com/news/711714 (24) https://www.dawn.com/news/1499336/raja-ranjit-singhs-statue-vandalised-in-lahore (23)
https://www.business-standard.com/article/news-ani/pakistan-sc-accuses-hashmi-of-gurudwara-property-s-illegal-selling-118021100249_1.html (25)
https://www.dawn.com/news/1592945 (27) https://www.dawn.com/news/1584197 (26)

اعشاریہ 3 2 فیصد وفاقی دارالحکومت اسلام آباد اور خیبرپختونخوا جبکہ ایک واقعہ (صفر اعشاریہ باسٹھ فیصد بلوچستان سے رپورٹ ہوئے۔ سب سے زیادہ کیسز 18 بہاولپور، 12 لاہور، 12 کراچی، 10 فیصل آباد، 8 حیدرآباد سے رپورٹ ہوئے۔ تھرپارکر، گھوٹکی اور قصور سے چھ چھ، بدین سے 5 جبکہ عمرکوٹ اور سیالکوٹ سے چار چار کیسز رپورٹ ہوئے تھے۔[28]

2020 کے دوران اکتوبر میں کراچی سے آرزو راجہ عمر 14 برس[29]، اپریل میں فیصل آباد سے میرا شہباز، عمر 14 برس؛[30] جون میں فیصل آباد ہی کے علاقے احمد آباد سے 12 سالہ فرح شاہین؛[31] کے کیسز جیسی چند ایک مثالوں سے اس معاملے کی سنگینی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

توہین رسالت کے مقدمات اور سزائے موت کا سامنا: ستمبر میں لاہور کی ایک ڈسٹرکٹ وسیشنز کورٹ نے مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان آصف پرویز کو توہین رسالت کے مقدمے میں سزائے موت سنائی۔ مقدمے کا اندراج 2013 میں شروع ہوا۔ آصف پر الزام تھا کہ اس نے موبائل فون کے ذریعے اپنے سُپر وائز کو توہین آمیز پیغام بھیجا تھا جس کی آصف نے تردید کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے سپروائزنے اسے اسلام قبول کرنے کو کہا تھا مگر اس نے انکار کیا جس کے بعد اس کے خلاف توہینِ رسالت کا جھوٹا مقدمہ درج کروا دیا گیا۔ تاہم مدعی مقدمہ کے وکیل نے اس الزام کی تردید کی تھی۔ آصف پرویز 2013 سے پابندِ سلاسل ہے اور عدالت میں اس کے مقدمے کی کاروائی اس کی موت کی سزا پر منتج ہوئی ہے۔[32] امریکی کمیشن برائے عالمی مذہبی آزادی کے مطابق، اس قسم کے الزامات میں 80 سے زائد افراد ملک کی مختلف جیلوں میں بند ہیں جن میں سے نصف عمر قید یا سزائے موت کے قیدی ہیں۔[33] امریکہ میں واقع انسانی حقوق کی تنظیم، انٹرنیشنل کرسچین کنسرن کے مطابق، مسیحی عقیدے سے منسلک 24 لوگ مذہب کی بے حرمتی کے مقدمات میں ملک کی مختلف جیلوں میں بند ہیں۔[34] ان میں توہینِ رسالت کے مقدمات میں موت کی کال کوٹھڑی میں قید لوگوں میں پنجاب کے قصبہ گوجرہ سے تعلق رکھنے والا ایک جوڑا بھی شامل ہے۔ شگفتہ کوثر اور شفقت ایمانوئیل گذشتہ چھ برسوں سے ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کے منتظر ہیں۔ میاں بیوی پر الزام تھا کہ انہوں نے ایک مقامی مسجد کے امام کے فون پر رسولؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات بھیجے تھے اور 2014 میں نچلی عدالت نے انہیں سزائے موت کا مرتکب قرار دیا۔[35] شفقت کا کہنا ہے کہ دورانِ حراست پولیس نے بہیمانہ تشدد کر کے اُس سے اعترافِ جرم کروایا۔ یہاں تک کہ پولیس کے تشدد سے اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے اور وہ اپاہج ہو چکا ہے۔ دونوں میاں بیوی عام دیہاڑی دار مزدور تھے۔

گرجا گھر کی جبری بندش: پاکستان میں کچھ مقامات پر مسیحی برادری کو اُن کی عبادت گاہ جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسی ہی کچھ صورتحال ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے گاؤں چک سرابہ میں ہے جہاں مسیحوں نے اپنے پیٹ کاٹ کر جمع پونجی بنائی اور اپنی آبادی کی عبادات کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے گاؤں میں ایک چھوٹا سا گرجا گھر تعمیر کیا۔ کچھ برس تک عبادت ہوتی رہی کہ پھر وہاں کے کچھ مقامی لوگوں نے مذہبی پیشواؤں کے کہنے پر پولیس کی سرپرستی سے جائے عبادت کو بند کر دیا اور مسیحیوں کو وہاں عبادت کرنے سے روک دیا۔ پولیس نے مسیحی برادری کو آئندہ کے لیے عمارت کو جائے عبادت کے طور پر استعمال نہ کرنے اور یہاں تک کہ اپنے گھروں میں بھی مذہبی اجتماع نہ کرنے کے ایک معاہدے پر دستخط کرنے کو کہا جس کی آئین وقانون میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مقامی مسیحی برادری کے کچھ رہنماؤں نے گرجا کی بندش کے خلاف ہائی کورٹ لاہور میں پٹیشن دائر کر رکھی ہے۔[36]

جماعتِ احمدیہ پر ظلم وستم کے کوہ گراں

تعداد: مردم شماری 2017 کے غیر حتمی نتائج کی رو سے، احمدی کُل آبادی کا 0.22 فیصد، (لگ بھگ 457103 افراد) ہیں۔

پاکستان کی احمدی برادری کے خلاف مظالم کی ابتدا 1974 میں اُن کی مذہبی شناخت کے خاتمے کی کوشش سے ہوئی۔ اس متنازعہ ترمیم نے مذہب کی جبری تبدیلی جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، کا ایک لحاظ سے سنگِ میل رکھا کیونکہ اس نے آبادی کے ایک حصے کو جبری طور پر غیر مسلم قرار دیا تھا۔

احمدیوں کے خلاف جبر کا جو سلسلہ 1974 میں شروع ہوا اُس میں بعد میں آنے والی ہر حکومت مقدور بھر اضافہ کرتی رہی۔ بھٹو صاحب کے بعد ضیاء الحق کی حکومت نے جماعتِ احمدیہ کو پاکستان سے بظاہر مٹانے کے لیے صدارتی حکم ناموں اور قوانین کی ایک پٹاری کھول دی جو آج بھی اپنا اثر دکھا رہے ہیں۔

ذیل میں چند ان اقدامات کا ذکر ہے جو سال 2020 میں پیش آئے اور انسانی حقوق کے اداروں کے لیے بالعموم جبکہ جماعتِ احمدیہ کے لیے بالخصوص تشویش کا سبب بنتے رہے:

ٹارگٹ کلنگ: جولائی 2020 سے دسمبر کے دوران کم ازکم پانچ احمدیوں کی ٹارگٹ کلنگ ہوئی ہے۔ 20 نومبر کو ایک کمسن مسلمان حملہ آور نے ننکانہ صاحب میں ڈاکٹر طاہر محمود عمر 31 برس کو گولیاں مار کر ہلاک کیا۔ محمود کے والد اور دو چچا حملے میں زخمی ہوئے۔ 9 نومبر کو پشاور میں 82 سالہ محبوب خان کو اُس وقت نشانہ بنایا گیا جب وہ ایک بس اڈے پہ کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے۔ 06 اکتوبر کو موٹر سائیکل پر سوار دو لوگوں نے ڈاکٹر نعیم الدین کو گولیاں مار کر اُن کی جان لے لی۔ مقتول کی عمر 57 برس تھی اور وہ گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج میں پروفیسر تعینات تھے۔ 12 اگست کو 61 سالہ معراج احمد کو پشاور میں فائرنگ کر کے مار دیا گیا جبکہ 29 جولائی کو 57 سالہ طاہر احمد نسیم کو عدالتی احاطے کے اندر فائرنگ کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اُن پر مذہب کی بے حرمتی کے مقدمے کی سماعت ہو رہی تھی۔ انسانی حقوق کے عالمی ادارے ایمنیسٹی انٹرنیشنل کا کہنا ہے کہ ان میں سے صرف دو واقعات میں ملوث ملزموں کو گرفتار کیا گیا ہے۔[37]

ایک احمدی خاتون کے خلاف توہینِ رسالت کا مقدمہ: اپریل 2020 کو چک نمبر 120 آر بی ضلع ننکانہ میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون رمضان بی بی کے خلاف، دفعہ 295 سی کے تحت توہینِ رسالت کا مقدمہ درج کیا گیا۔ اس جرم کی سزا موت ہے۔ جماعت کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ یہ مقدمہ ایک ذاتی جھگڑنے کی بنیاد پر درج ہوا اور احمدیوں کے خلاف دہائیوں سے جاری مظالم کے تسلسل کا اظہار ہے۔ رمضان بی بی کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل شیخوپورہ میں بند کر دیا گیا تھا۔ یہ پہلی احمدی عورت ہیں جن کے خلاف توہینِ رسالت کا مقدمہ درج کیا گیا ہے۔

اعلیٰ قیادت کے خلاف مقدمات کا اندراج

پاکستان میں جماعت احمدیہ کی اعلیٰ قیادت کے خلاف

(28) https://www.dawn.com/news/1592945 (29) https://www.dawn.com/news/1589446
(30) https://www.forbes.com/sites/ewelinaochab/2020/05/08/yet-another-girl-in-pakistan-abducted-forcibly-converted-and-forcibly-married-to-her-abductor/?sh=41a54ed174da
(31) https://www.ucanews.com/news/pakistani-christian-girl-freed-five-months-after-abduction/90591#
(32) https://www.dw.com/en/pakistan-lahore-court-sentences-christian-to-death-on-blasphemy-charges/a-54856401
(33) https://www.dawn.com/news/1578596
(34) https://www.persecution.org/2020/12/15/court-pakistan-acquits-christian-sentenced-life-prison-blasphemy/
(35) https://www.bbc.com/news/world-asia-52889974
(36) http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2020/02/Why-are-Minorities%E2%80%99-Sites-of-Worship-Being-Closed.pdf
(37) https://www.hrw.org/news/2020/11/26/pakistan-surge-targeted-killings-ahmadis

مذہب کی توہین کے مقدمات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے دیگر قوانین کے ساتھ ساتھ پاکستان الیکٹرانک کرائمز پریوینشن ایکٹ 2016 کا ناجائز استعمال بھی سُننے میں آ رہا ہے۔ حالیہ ماہ کے دوران جن قائدین کے خلاف مقدمے درج کیے گیے ہیں اِن میں سلیم الدین، ڈائریکٹر امورِ عامہ جماعت احمدیہ پاکستان؛ سید خالد اے شاہ، چیف ایگزیکٹو جماعتِ احمدیہ پاکستان؛ ملک مسعود اے خالد، ڈائریکٹر مطبوعات؛ مرزا فضل احمد، ڈائریکٹر امورِ تعلیم؛ مظفر احمد، ڈائریکٹر؛ سید مبشر احمد ایاز، پرنسپل جامعہ؛ محمد اظہر، پروفیسر جامعہ؛ طارق شہزاد، وائس پرنسپل این جے انٹر کالج؛ صالک احمد، صدر امورِ نوجوانان؛ ملک عثمان احمد؛ روحان احمد؛ وقار احمد؛ اور ملک ظہیر احمد۔

احمدی طالبعلموں کے ساتھ امتیازی سلوک

چک نمبر 75/22 سیدوالا، ضلع ننکانہ میں چند مذہبی بنیاد پرستوں کے دباء میں آ کر نصیر ملت سکول کی انتظامیہ نے جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے نو طالبعلموں کو سکول سے نکال دیا۔ یہ وقوعہ نومبر کے مہینے میں پیش آیا۔ نومبر ہی میں، اِسی طرح کے ایک واقعے میں اسلام آباد میں واقع اسلام آباد ماڈل ہائی سکول میں زیرِ تعلیم ایک احمدی طالبہ کو اُس کے عقیدے کی بنیاد پر سکول سے نکال دیا گیا۔

قبروں کی بے حرمتی

احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کے واقعات آئے روز پڑھنے کو ملتے ہیں۔ نومبر کے مہینے میں گاؤں بوسال کلاں، ضلع چنیوٹ میں ایسی تین قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ 26 مئی 2020 کو شوکت کالونی، ننکانہ میں پولیس کی سرپرستی میں ایک احمدی کی قبر کی بے حرمتی کی گئی۔ ایسے کئی واقعات پولیس کی سرپرستی میں ہوتے ہیں اور کئی بار تو پولیس نے خود آ کر قبروں کے کتبوں کی توڑ پھوڑ کی۔

جولائی میں شیخوپورہ کے ایک نواحی گاؤں کی رہائشی احمدیہ برادری کے افراد نے الزام عائد کیا کہ مقامی افراد نے انتظامیہ کے ساتھ مل کر ان کے پیاروں کی قبروں کی بے حرمتی کی ہے۔

جماعتِ احمدیہ پاکستان کے ترجمان سلیم الدین نے ٹوئٹر پر چند تصاویر پوسٹ کیں جن میں مختلف قبروں کے کتبے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اپنی ٹویٹ میں انھوں نے لکھا کہ 'پاکستان میں بسنے والی احمدی برادری کے افراد مرنے کے بعد بھی سکون میں نہیں ہیں۔ ضلع شیخوپورہ کے علاقے نواں کوٹ کے ایک گاؤں چک 79 میں احمدیوں کی قبروں کو مقامی مذہبی افراد اور حکام کی طرف سے نقصان پہنچانے کا واقعہ قابلِ مذمت ہے۔' پہلے احمدی برادری کے افراد کو قبروں کے کتبوں کو توڑنے کا کہا گیا تھا اور اُن کے انکار پر انتظامیہ نے مقامی مذہبی افراد کی مدد سے خود یہ کام کر دیا۔ فروری میں چک 2 ٹی ڈی اے، خوشاب سے ایسی اطلاع ملی جہاں پولیس نے مبینہ طور پر تین قبروں پر لگے کتبوں کو ٹھوکریں مار کر گرایا۔ جماعت احمدیہ سے موصول ہونے والے کوائف کے مطابق، 2020 کے دوران کم از کم ایک سو کے قریب ایسے افسوناک واقعے سامنے آئے۔

عبادت گاہوں کی جبری بندش

انسانی حقوق کے عالمی ادارے، ہیومن رائٹس واچ کی سالانہ رپورٹ کے مطابق، اگست میں لاہور کی ضلعی انتظامیہ نے چند مقامی مُلاؤں کی شکایت پر جماعت احمدیہ کی ایک عبادت گاہ کو بند کیا۔ ایسا ہی ایک واقعہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے علم میں آیا تھا۔ تفصیلات کے مطابق، لاہور ہی کے ایک علاقے میں کچھ مقامی مسلمانوں نے چند مذہبی بنیاد پرستوں کے ایماء پر احمدیوں کی عبادت گاہ کی موجودگی کے خلاف احتجاج کیا اور پولیس کو عبادت گاہ کو بند کرنے کی درخواست کی۔ پولیس نے ہجوم کے سامنے جُھکتے ہوئے عبادت گاہ کو تالا لگا دیا اور احمدیوں کو وہاں عبادت کرنے سے منع کر دیا۔

نفرت انگیز اجتماعات

06 نومبر کو ربوہ میں سیرت کانفرنس منعقد ہوئی۔ مولوی اللہ وسایا، مرکزی امیر عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت ملتان نے مجمع سے خطاب کیا اور کہا، " قادیانی 1974 میں کافر قرار پائے تھے۔ مرزائیوں کو کافر قرار دینے کے بعد ہم نے چناب نگر عدالت کے احاطے میں جمعہ کی نماز ادا کی تھی۔ یہ 45 برس پہلے کی بات ہے۔ اُس وقت سے ہم ریلوے اسٹیشن کی جامعہ مسجد محمدیہ میں جمعہ کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ 1974 کے بعد، چناب نگر میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کا مدرسہ قائم ہوا اور مرزئی آہستہ آہستہ اپنی سطح پر آئے۔ اب مسلمان پوری آزادی کے ساتھ چناب نگر میں اپنے اجتماع اور کانفرنسیں منعقد کر سکتے ہیں۔ "چناب نگر کے ان قادیانیوں نے مسلمانوں پر ظلم کیے ہیں۔ اب یہ ایسا کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ اب ملک کے تمام علاقوں سے لوگ یہاں ہماری کانفرنس میں شرکت کرتے ہیں۔ ہماری جماعت پوری دنیا میں احمدیوں کا تعاقب کر رہی ہے۔ مسجد محمدیہ قادیانی آبادی کے درمیان قائم ہے، آؤ اسے بھریں۔ وہ جو اسلام اور پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں، خود ختم ہو جائیں گے۔"

جماعت احمدیہ کے ترجمان کے مطابق، اراضی جہاں مسجد واقع ہے، محکمہ ریلوے نے احمدی مخالف مُلّاؤں کو دی تھی، اور یہاں سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ہمیشہ سے احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز تقاریر کی جاتی ہیں جن کا سرکار نے کبھی نوٹس نہیں لیا۔ ایسے متعدد اجتماع ملک کے مختلف حصوں جیسے کہ گوجرانوالہ، سرگودھا، لاہور، ملتان، کراچی وغیرہ میں ہوئے جہاں بالعموم غیر مسلموں اور بالخصوص احمدیوں کے خلاف تشدد پر اُکسانے والی تقاریر کی گئیں۔

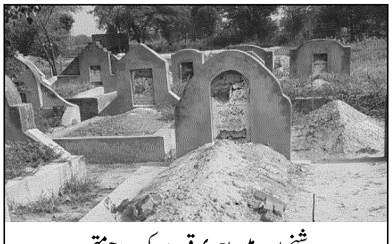

شیخوپورہ میں احمدی قبروں کی بے حرمتی

حاصلِ کلام

ملک کی غیر مسلم آبادی کو ریاست وسماج کے بنیاد پرست حلقوں، دونوں کی طرف سے زیادتیوں کا سامنا ہے۔ ریاست نے کئی ایسے قوانین منظور کیے اور انتظامی فرمان جاری کیے جو ثابت کرتے ہیں کہ ریاست باقاعدہ منظم طریقے سے اقلیتوں کے گرد گھیرا تنگ کر رہی ہے۔ اقلیتوں کی ایک بڑی تعداد اِس طرزِ عمل سے دلبرداشتہ ہو کر اور جان کی امان پانے کے لیے ملک چھوڑ چکی ہے۔ جو باشعور لوگ بشمول اقلیتی نمائندے ظلم و ستم کی اس داستان کے خلاف لب کشائی کی جسارت کرتے ہیں وہ خود کو جیل کی سلاخوں یا پھر بندوق کی گولیوں کے پیچھے پاتے ہیں۔ اقلیتوں کے ساتھ روا زیادتیوں کے پیچھے ایک خاص سوچ کے حامل بنیاد پرست مذہبی ٹولے اور ریاست کا گٹھ جوڑ نظر آتا ہے جو کہ کسی بھی جمہوری و مہذب سماج کی نشانی نہیں ہو سکتا۔ ریاست کو اپنی سوچ پر نظرِ ثانی کرنی ہو گی اور ان طاقتوں سے اپنے غیر اعلانیہ الحاق ختم کرنا اور ان پالیسیوں کو ترک کرنا ہو گا جن کا مقصد ملک کو پیچھے دھکیلنے کے سوا کچھ نہیں۔

بہتری کی طرف پہلی پیش قدمی کے طور پر، محمد علی جناح کی 11 اگست 1947 کی تقریر کو دستور کا افتتاحیہ قرار دیا جائے اور اسے ناقابلِ ترمیم بنیادی ڈھانچے کی حیثیت دی جائے۔ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترامیم، ضیاء کے احمدیت مخالف صدارتی حکم ناموں، مذہب کی حرمت کے قوانین، خاص طور پر دفعہ 295 سی، حال ہی میں پنجاب اسمبلی سے منظور ہونے والے ختمِ نبوت ایکٹ سمیت ایسے تمام قوانین کو واپس لیا جائے جو ملک کی مذہبی اقلیتوں اور مسلمان اقلیتی فرقوں کے لیے جان لیوا ثابت ہو رہے ہیں اور سماج میں مذہبی انتشار کا سبب بن رہے ہیں۔ مذہب کی جبری تبدیلی کے مسئلے پر قابو پانے کے لیے مؤثر قانون سازی درکار ہے۔ سندھ کی سطح پر قانون منظور کرنے کی کوشش بھی ہوئی ہے مگر بنیاد پرست ملاؤں کی مخالفت کے باعث پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عدالت عُظمٰی کے جون 2014 کے تاریخ ساز فیصلے کا اطلاق بھی ناگزیر ہے۔

file:///E:/HRCP/JH/January/Final/hrw_world_report_2020_0.pdf (40) https://urdu.nayadaur.tv/31127/(39) https://www.bbc.com/urdu/pakistan-53275196 (38)
file:///E:/HRCP/JH/January/Final/Why-are-Minorities%E2%80%99-Sites-of-Worship-Being-Closed.pdf (41)

انسانی حقوق اور میڈیا

تنویر جہاں

انسانی حقوق کے بارے میں لکھنا یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو رپورٹ کرنا دونوں میڈیا پر بھاری ذمہ داری عائد کرتے ہیں کیونکہ یہ صرف کسی واقعہ کی رپورٹ نہیں بلکہ سماجی خدمت اور انسانی اقدار کے تحفظ اور فروغ کا معاملہ ہے۔ انسانی حقوق کے مسائل پر لکھنے کے لیے اس کی نشان دہی ضروری ہے۔ مسئلے کا مختلف حوالوں سے جائزہ اور اس کی مکمل تحقیق، مسئلے کے قانونی پہلوؤں کی سمجھ اور اپنے استدلال کی حمایت میں شواہد اکٹھے کرنا شامل ہے۔

انسانی حقوق کے بارے میں لکھنے والے صحافیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ انسانی حقوق کے مسائل سے پوری طرح آگاہ ہوں، ان کے بارے میں حساسیت رکھتے ہوں اور غیر جانب داری سے ان مسائل کو رپورٹ کرسکتے ہوں۔

یہاں ہم صحافی سے مراد ہر وہ شخص لے رہے ہیں (خواہ اس کا تعلق روایتی جرنلزم یا آن لائن جرنلزم سے ہو) جس کا پیشہ خبر کی تلاش، خبر کا بیان، خبر ایڈٹ کرنا، خبر کو شائع کرنا یا نشر کرنے اور اسے پڑھنے، سننے اور دیکھنے والوں کو پہنچانا ہے۔ ویسے تو میڈیا میں کام کرنے والے تمام افراد کو ہی انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹنگ کی سمجھ ہونی چاہیے لیکن ہمارا فوکس یہاں صحافی ہیں جن پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم انسانی حقوق کے مسائل پر رپورٹنگ کے بارے میں جانیں بہتر ہوگا کہ ہم انسانی حقوق کے کچھ بنیادی نکات سمجھ لیں۔

انسانی حقوق کیا ہیں؟

انسانی حقوق کا علم نیا لیکن اس کی جدوجہد بہت پرانی ہے۔ دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریوں سے انسانوں نے جو سبق سیکھے تھے اِس کے نتیجے میں اقوامِ متحدہ کا ادارہ وجود میں آیا۔ اس ادارے کی بنیاد تین نکات یعنی امن، انسانی ترقی اور انسانی حقوق پر رکھی گئی۔ یہ تین اصول ہزاروں سال کی جنگ وجدل، جبر وتشدد، ناانصافی اور استحصال سے حاصل ہونے والے قیمتی سبق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن بنیادی اصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اقوامِ متحدہ نے انسانی حقوق کا بین الاقوامی نظام تشکیل دیا جو کئی اعلامیوں، معاہدوں اور پروٹوکول پر مشتمل ہے۔ انسانی حقوق کے حوالے سے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جو دستاویز سب سے پہلے منظور کی گئی وہ انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ ہے جس میں اقوامِ عالم نے اتفاق رائے پیدا کیا کہ کچھ کم سے کم معیارات تمام انسانوں کو دستیاب ہونے چاہئیں تاکہ وہ انسانی وقار، آزادی، برابری، انصاف اور امن سے زندگی گزار سکیں۔ یہی کم سے کم معیارات انسانی حقوق کہلاتے ہیں۔ انسانی حقوق فطری اور پیدائشی ہیں جو ہمیں اِس دنیا میں آتے ہی ہمیشہ کے لیے حاصل ہوجاتے ہیں اور بنی نوع انسان سے تعلق کی بنیاد پر ہر فرد کو حاصل ہوتے ہیں۔ ہر فرد ہر جگہ اِن حقوق کا مالک ہے اور عمر، جنس، نسل، مذہب، قومیت، مالی اور سماجی مرتبہ یا حالات زندگی سے قطع نظر یہ ہر انسان کی پیدائشی اور دائمی ملکیت ہیں۔ کوئی فرد ان حقوق سے دستبردار نہیں ہوسکتا اور یہ حقوق سلب بھی نہیں کیے جاسکتے حتیٰ کہ کوئی حکومت ان کا اعتراف اور تحفظ نہ بھی کرے تب بھی یہ حقوق برقرار رہتے ہیں۔

10 دسمبر 1948ء کو منظور ہونے والے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی ابتدا ایک سادہ سے جملے سے ہوتی ہے، تمام انسان عزت وحقوق میں مساوی اور آزاد پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ منظور ہوا تو دنیا کی سب سے بڑی لائبریری (لائبریری آف کانگریس) کی فہرست کتب میں انسانی حقوق کا موضوع سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ آج دنیا بھر میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ہزاروں تنظیمیں اور لاکھوں کارکن کام کررہے ہیں۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون میں بہت سے اعلامیوں اور کنونشنوں کا اضافہ ہوچکا ہے۔ بیسویں صدی میں چالیس کی دہائی کے بعد آزاد ہونے والی بہت سی ریاستوں کے آئین میں انسانی حقوق کا ماخذ بھی یہی ہے۔ پاکستان کے آئین میں بھی شہریوں کے بنیادی حقوق کے باب میں درج حقوق بہت حد تک انسانی حقوق کے عالمی منشور سے مطابقت رکھتے ہیں۔

دنیا کے ساڑھے سات ارب سے زیادہ انسان حقوق رکھتے ہیں جبکہ دنیا کی تمام ریاستیں اپنی حدود میں بسنے والے تمام شہریوں کے حقوق کی فراہمی کی ذمہ دار ہیں۔ پاکستان کی ریاست بھی اپنی حدود میں رہنے والے تمام شہریوں کے حقوق کی ذمہ دار ہے جس کا بیان ہمارے ملک کے آئین میں کیا گیا ہے۔

انسانی حقوق کے حوالے سے پاکستانی ریاست کی تین ذمہ داریاں ہیں۔

1۔ ریاست تمام شہریوں کے حقوق کا احترام کرے گی۔

2۔ اگر کوئی شخص یا گروہ کسی دوسرے شخص یا گروہ کے حقوق کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرے تو ریاست اُس فرد یا گروہ کے خلاف دوسرے فرد یا گروہ کو تحفظ فراہم کرے گی۔

3۔ جہاں انسانی حقوق دستیاب نہیں وہاں انسانی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے گی۔

شہریوں کو اپنے حقوق کے حصول کے لیے ان سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ میڈیا شہریوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

ایک نظر میڈیا/صحافی کے انسانی حقوق پر بھی ڈال لیتے ہیں۔

صحافیوں کا انسانی حقوق سے کیا تعلق ہے؟

بظاہر یہ ایک غیر ضروری سوال معلوم ہوتا ہے کیونکہ صحافی اکثر انسانی حقوق کے دفاع کی صفِ اول میں پائے جاتے ہیں۔ ہمیں ان صحافیوں کے بارے میں معلوم ہے جو جنگی جرائم کے بارے میں لکھتے ہیں، اخبار کا ناشر جو غیر قانونی گرفتاریوں کی خبر دینے پر جیل جاتا ہے، رپورٹر جو بچوں سے مشقت لینے کے معاملات کو منظر عام پر لاتا ہے، ہم ان جیسے صحافیوں کو اپنے پیشے کے اعلیٰ ترین درجے میں شمار کرتے ہیں۔ صحافیوں کے پاس یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ دوست دشمن سب کے لیے یکساں انسانی حقوق پر دلائل دیں، صحافی سیاست دانوں کے کھوکھلے نعروں اور بنیادی حقوق میں فرق کرنا جانتے ہیں۔ آمریت اور استبداد تلے پسے ہوئے معاشروں میں بھی چند ایک ایسے صحافی ضرور مل جاتے ہیں جو ناانصافی اور جبر کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے پردہ اٹھانے والے صحافی عوام میں آگہی پھیلا کر تبدیلی کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔ تاہم ایسے صحافی جو بہادری سے اپنا کام کرتے ہیں، مجموعی طور پر اقلیت میں ہوتے ہیں۔

انسانی حقوق کے تحفظ اور فروغ کے لیے عام طور پر صحافیوں کی اکثریت حکومتوں سے ٹکرانے سے گریزاں رہتی ہے اور بہت سے صحافی انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں پر خاموش رہتے ہیں۔ ان کے روزمرہ فرائض میں سیاست، جرائم، سماجی امور، کاروبار، کھیلوں اور شوبزنس جیسے معاملات کی خبریں دینا شامل ہوتا ہے۔ تاہم یہی وہ معاملات ہیں جہاں انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے سب سے زیادہ کام کیا جاسکتا ہے۔ انسانی حقوق کی

خلاف ورزی محض کسی بہت بڑے پیمانے پر ناانصافی کا نام نہیں، انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ روزمرہ زندگی میں لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے۔اس سے پہلے کوئی باہمت صحافی اپنے بہادرانہ کام سے انسانی حقوق کی منزل کو قریب لاسکے، یہ ضروری ہے کہ دیگر صحافی یا کم ازکم صحافیوں کی ایک بڑی تعداد انسانی حقوق کے بیانیے کو اپنے کام کا حصہ سمجھے۔ یہ توقع کرنا عبث ہے کہ ایک ایسے معاشرے سے غیر معمولی طور پر اہم کردار ادا کرنے والے افراد سامنے آسکیں جو روزمرہ زندگی میں انسانی حقوق کو اہمیت نہیں دیتا۔

صحافی اور انسانی حقوق میں تین سطح پر تعلق پایا جاتا ہے:

1۔ صحافی کا کام دیانت داری سے خبر دینا ہے۔میڈیا کو عام طور پر چوکیدار کہا جاتا ہے یعنی ایسا کردار کسی کے حقوق کو خطرے میں دیکھ کر دوسروں کو خبردار کردے۔میڈیا کے پاس یہ طاقت ہوتی ہے کہ لوگوں کو اطلاع دے کہ حکومت اپنے اختیارات کو درست طریقے سے استعمال کر رہی ہے یا قانون سے تجاوز کررہی ہے۔انسانی حقوق کے معیارات درحقیقت وہ عمومی حدود بیان کرتے ہیں جن کے مطابق اہلِ اقتدار کی کارکردگی کا جائزہ لینا چاہیے۔ یہ اصول دراصل شہریوں کے ساتھ ریاست کے سلوک کا کم ازکم معیار طے کرنے کی کوشش ہیں نیز یہ کہ شہریوں کو ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔انسانی حقوق پر توجہ مرکوز کرنے سے صحافی معاشرے کو اجتماعی زندگی کے مرکزے میں لاتا ہے۔اس لئے نہیں کہ انسانی حقوق کی آواز کوئی ارفع واعلیٰ بیانیہ ہے بلکہ اس لیے کہ انسانی حقوق پر توجہ دیے بغیر صحافت کے پیشہ ورانہ تقاضے پورے نہیں ہوتے۔انسانی حقوق کے زاویے سے کام کرنے والا صحافی اپنے عدسے کا دائرہ بڑھا لیتا ہے اور متعلقہ معاملے سے متاثر ہونے والے تمام فریقین کی صورتِ حال بیان کرسکتا ہے۔اس طرح صحافی واقعات کی زیادہ درست اور جامع تصویر پیش کرسکتے ہیں۔

2۔ اگر لوگ اپنی آواز اٹھانے میں آزاد نہ ہوں اور مالکان کو نشر واشاعت کی آزادی میسر نہ ہو تو صحافی اپنا کام ٹھیک طرح سے نہیں کرسکتا۔ انسانی حقوق شہریوں کو خیال، عقیدے اور اظہار کی آزادی کی ضمانت دیتے ہیں۔صحافت کا ایک بنیادی فرض لوگوں کو ان آزادیوں کے حصول میں مدد دینا ہے۔ عوام کے حقوق اور صحافت کی آزادی میں براہ راست تعلق ہے۔شہری صرف اُسی صورت میں آزادیِ اظہار سے کام لے سکتے ہیں جب میڈیا مالکان، ایڈیٹر اور صحافی وسیع البنیاد اور روادار صحافت کے قائل ہوں۔ اسی طرح میڈیا مالکان، ایڈیٹر اور صحافی کی آزادی کا جواز اسی بنیاد پر متعین ہوگا کہ وہ خود کس حد تک اپنی آزادی کو کام میں لاتے ہوئے عوام کے حقِ اظہار کا دفاع کرتے ہیں۔جب ریاست شہریوں کے انسانی حقوق غصب کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو سب سے پہلے صحافت کی آزادی پر بندش لگاتی ہے۔صحافی یا تو ان پابندیوں کی مزاحمت کرتے ہیں یا گھٹنے ٹیک کر حکومتی احکامات کے مطابق خبریں دینے لگتے ہیں۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے والے صحافی خود اپنی آزادیوں کے قتل میں شریک بن جاتے ہیں۔

3۔ دیگر تمام شہریوں کی طرح صحافیوں کا ذاتی مفاد بھی اس میں ہے کہ انہیں کسی خوف یا جبر کے بغیر اپنا کام کرنے کی آزادی ہو۔صحافیوں کے بھی اہل خانہ ہوتے ہیں چنانچہ معاشرے میں جبر، دباؤ، اور تشدد سے تحفظ میں صحافیوں کا اپنا مفاد بھی شامل ہوتا ہے۔صحافی کی جڑیں معاشرے میں جتنی گہری ہوں گی، اُسے انسانی حقوق کی صورتحال کا اتنا ہی زیادہ علم ہوگا۔اچھا صحافی متجسس ہوتا ہے اور اپنے مشاہدے سے جان لیتا ہے کہ معاشرے میں بسنے والے بیشتر افراد اور گروہوں کی خواہشات ایک جیسی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُنہیں افراد اور گروہ کے طور پر احترام دیا جائے۔ اُنہیں کسی خوف یا تشدد کے بغیر اپنی صلاحیتوں کو کام میں لانے کا موقع ملے، اُنہیں ایک جیسے مواقع میسر آئیں۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں میں مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد کی شمولیت کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ صحافت میں مختلف طبقات اور گروہوں کی حساسیت کی عکاسی ہوسکے۔ایک ایسا نیوز روم جس میں کام کرنے والے قوم کی سماجی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی رنگارنگی کی عکاسی کرتے ہوں، معاشرے میں انسانی حقوق کی حقیقی صورتحال کی بہتر عکاسی کرسکتا ہے۔

لوگوں کو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے آگاہ کرنا

معاشرے کی صحیح عکاسی کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو معلومات تک رسائی ہونی چاہیے، اُن کے پاس تحقیق صحافت کے وسائل اور اقتدار میں شریک افراد سے جواب دہی کی صلاحیت ہونی چاہیے۔اِس کا مطلب قانونی اجازت نہیں بلکہ پیشہ ورانہ وابستگی اور تربیت بھی ہونی چاہیے۔صحافی کے لیے پریس کانفرنس میں شریک ہونا اور جو کچھ بتایا جائے اسے لکھ لینا کافی نہیں۔صحافی کو سوال اٹھانا ہوتے ہیں کہ انہیں کیا بتایا جارہا ہے اور کیوں بتایا جارہا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کے لیے صحافی کے پاس مہارت ہونی چاہیے۔ اسے اعدادوشمار پر گرفت ہونی چاہیے۔ اسے سرکاری دستاویز پڑھنے کی تربیت ہونی چاہیے، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ صاحبانِ اقتدار سے سوال کرنے کے لیے آزاد ذہنی رویے کی ضرورت ہوتی ہے۔صحافی کو اقتدار کے تام جھام سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔صحافی کی آزادی کا بہت بڑا تعلق اس حمایت اور تائید سے بھی ہوتا ہے جو اسے اپنے ادارے کی طرف سے ملتی ہے۔ایک صحافی کے لئے آزادی سے کام کرنا مشکل ہوجاتا ہے اگر اس کے ادارے کا مالک یا ایڈیٹر قید میں ہو۔ذرائع ابلاغ کی آزادی محض ملکی قوانین کا ایک حصہ ہی نہیں بلکہ صحافت کے کاروباری حلقوں، سیاست دانوں اور مختلف سماجی پرتوں کے ساتھ تعلق سے بھی منسلک ہے۔میڈیا مالکان، حکومت، سیاسی جماعتوں اور معاشرے میں موجود دوسرے طاقتور عناصر کے باہمی تعلق سے صحافت کی آزادی متعین ہوتی ہے۔

لوگوں کو اُن کے حقوق اور اور حقوق کی ممکنہ پامالیوں سے آگاہ کرنے کے لیے صحافی کو عوام تک پہنچنا ہوتا ہے۔انتہائی صورتوں میں ذرائع ابلاغ اپنا کام نہیں کرسکتے اگر چھاپہ خانے بند کردیے جائیں، رسالے ضبط کرلئے جائیں اور نشریات جام کردی جائیں۔ یہ محض سرکولیشن اور سننے والوں کی تعداد کا سوال نہیں بلکہ ایسے حالات میں صحافت کا معیار مجروح ہوتا ہے۔اخبارات اور رسالے عام طور پر صرف مراعات یافتہ شہری طبقات تک پہنچتے ہیں، عوام کے احساسات سے کٹے ہوئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینل اپنے سامعین سے محروم ہوجاتے ہیں۔محض سرکاری بیانیہ نشر کرنے والے صحافتی ادارے اپنی ساکھ کھو بیٹھتے ہیں عوامی فلاح سے وابستگی رکھنے والے سنجیدہ اخبارات اور نشریاتی ادارے کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ شہریوں تک پہنچ سکیں۔کمرشل ذرائع ابلاغ کو اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے پرائم ٹائم میں آزاد اور ٹھوس خبریں بھی دینا ہوتی ہیں۔ کوشش ہونی چاہیے کہ نشریات میں نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں، مردوں، اقلیت اور اکثریت، غرض سب کے لیے دلچسپی کا سامان ہو۔ذرائع ابلاغ پر تفریح فراہم کرنے میں

کوئی ہرج نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس خیال سے نجات حاصل کی جائے کہ معیاری صحافت کا ہر وقت سنجیدہ اور بور ہونا ضروری ہے۔ تاہم میڈیا پر تفریح کا مقصد انسانی حقوق کے بیانیے سے گریز نہیں بلکہ اسے سہارا دینا ہے۔ تفریح کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت معاشرے میں سب اچھا ہے اور لوگ چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔

انسانی حقوق سے متعلق رپورٹنگ

انسانی حقوق تشدد، خوف اور بھوک سے آزادی ہے۔ انسانی حقوق مساویانہ اور منصفانہ سلوک اور انسانی وقار سے متعلق ہیں۔ ان تصورات کو حقیقت کا روپ دینا دو طرفہ عمل ہے۔ انسانی حقوق کے حوالے سے طاقت اور اختیار رکھنے والے جواب دہنگان یا ذمہ داران کی نگرانی اور محاسبہ اور شہریوں کو حقوق سے آگاہ رکھنا۔ اس عمل کے لیے نگرانی کرنے والوں کی ضرورت ہے اور یہ کام این جی اوز اور میڈیا بڑے احسن طریق سے کر سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں تمام شہریوں کو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں اور حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں دادرسی کے لیے وہ کس سے رابطہ کریں۔ یہ بھی معلوم نہیں۔ میڈیا اس ضمن میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے تاکہ شہریوں کو یہ بتایا جا سکے کہ نہ صرف ان کے حقوق ہیں بلکہ وہ لوگ بھی اتنے ہی حقوق رکھتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتے یا اپنا دشمن گردانتے ہیں۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے میڈیا کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں انسانی حقوق کے اصول رپورٹنگ سے ادارتی، ہر سطح پر شامل کرنے پڑیں گے۔

میڈیا میں پالیسی ساز افراد

ایڈیٹر ان چیف یا مدیر اعلیٰ، سٹیشن مینیجر، ایڈیٹوریل ڈائریکٹر، نیوز انچارج وغیرہ اپنے ادارے اور سٹاف کو انسانی حقوق کی اہمیت سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ جب کسی خبر یا واقعہ کی رپورٹنگ پر شدید ردِعمل آتا ہے وہ پہلی دفاعی لائن کا کام کرتے ہیں۔ انہیں ان تمام خطرات کا اندازہ لگانا ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کی کسی خلاف ورزی کی نشاندہی پر انہیں عدالت میں گھسیٹا جا سکتا ہے یا ان کے اخبار، ٹی وی چینل کو بند کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح پر اگر ایسے افراد بیٹھے ہوں جو انسانی حقوق کے تحفظ اور فروغ اور آزادی اظہار رائے کی اہمیت جانتے ہوں وہ بہت سے صحافیوں کو انسانی حقوق کے لیے کام کرنے پر مائل کر سکتے ہیں۔ ان تمام افراد کو انسانی حقوق کے معیارات کا علم ہونا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ معیارات کیسے آزادی اظہار رائے سے جڑے ہوئے ہیں۔

سینئر صحافی

پالیسی سازوں کے بعد ادارے میں پروڈیوسرز، نیوز ایڈیٹر اور چیف سب ایڈیٹرز آتے ہیں۔ اگر رپورٹرز خبریں اکٹھی کرنے کے لیے ادارے کی آنکھیں اور کان ہوتے ہیں تو نیوز روم میں یہ طے ہوتا ہے کہ اس جمع شدہ معلومات کو کیسے معنی خیز انداز میں پیش کرنا ہے۔ ان لوگوں کا انسانی حقوق کے معیارات اور اصولوں سے آشنا ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ رپورٹرز اور دیگر سٹاف کی روز مرہ معاملات میں رہنمائی کرتے ہیں۔

سپیشلسٹ رپورٹر

بہت سی رپورٹنگ بیٹس پر کام کرنے والے رپورٹروں کے لیے انسانی حقوق سے متعلق آگہی بہت ضروری ہے مثلاً

- ☆ سیاسی اور پارلیمانی امور پر رپورٹ کرنے والے صحافیوں کو مقننہ اور انتظامیہ کے اختیارات اور حدود کا اندازہ ہونا چاہیے۔ انہیں اس بات پر نظر رکھنی چاہیے کہ ان میں سے کوئی اپنی حدود سے تجاوز تو نہیں کر رہا۔ انہیں اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے سرکاری معلومات حاصل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور کون سی نہیں۔
- ☆ ایک کرائم رپورٹر کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ پولیس کے اختیارات کیا ہیں۔ گرفتار افراد کے کیا حقوق ہیں۔ گرفتاری، ایف آئی آر اور دیگر معاملات میں قانونی طریقے اختیار کئے گئے ہیں یا ماورائے قانون طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔
- ☆ اسی طرح جو رپورٹر عدالتی کارروائیوں کو رپورٹ کرتے ہیں انہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ منصفانہ سماعت کسے کہتے ہیں۔ کیا فریقین کو منصفانہ سماعت کا حق مل رہا ہے۔ شہادتوں کو کیسے سنا جاتا ہے۔ عدلیہ کی آزادی اور خودمختاری کا خیال کیسے کیا جاتا ہے۔
- ☆ دوسرے صحافیوں کا شاید اتنا سیاسی کردار نہ ہو لیکن وہ اپنے معاملات کے حوالے سے انسانی حقوق کے اصولوں کو شامل کر سکتے ہیں مثلاً ایک فیشن جرنلسٹ کا بظاہر انسانی حقوق کے معاملات سے تعلق نظر نہیں آتا لیکن وہ اپنے کام میں ان موضوعات کو شامل کر سکتے ہیں کہ کپڑے بنانے والوں کے معاشی حالات کیسے ہیں۔ انہیں اپنے کام کا پورا معاوضہ ملتا ہے یا نہیں، عورتوں اور مردوں کو ایک جیسے کام کا یکساں معاوضہ ملتا ہے۔ بچوں سے مشقت تو نہیں لی جاتی۔ وغیرہ وغیرہ۔
- ☆ اسی طرح سپورٹس جرنلسٹ دیکھ سکتے ہیں کہ کھلاڑیوں کے انتخاب میں کتنا میرٹ کا خیال رکھا گیا ہے۔ کتنا سفارش اور سیاسی دباؤ کا عمل دخل ہے۔ کنٹریکٹ کی شرائط کیا ہیں۔ سیلکشن میں عقیدے، مذہب یا جنس کی بنیاد پر کوئی تفریق تو نہیں کی گئی۔ کھلاڑیوں میں نشہ یا دوسری غیر اخلاقی سرگرمیاں کیسے دیکھی جاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

انسانی حقوق پر لکھنے کے لیے موضوعات کا چناؤ کیسے کیا جائے

پاکستانی ریاست نے اپنے شہریوں کے جن انسانی حقوق کو تسلیم کیا ہے وہ واضح طور پر آئین کے انسانی حقوق کے باب میں درج ہیں۔ ایک نہایت آسان طریقہ یہ ہے کہ آئین کے انسانی حقوق کے باب کو تفصیل سے پڑھا جائے اور ان تمام حقوق کی ایک فہرست مرتب کر لی جائے مثلاً آئین کا آرٹیکل 9 کہتا ہے کہ کسی شخص کو زندگی اور آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا ماسوائے قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے۔ آرٹیکل 10 گرفتاری اور نظربندی سے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اور گرفتار شخص کو اس کی گرفتاری کی وجوہات جاننے کا حق دیتا ہے اور 24 گھنٹوں کے اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے کا پابند بناتا ہے لیکن ہم اپنے ملک میں ان دونوں آرٹیکل میں دیئے گئے حقوق کی شدید خلاف ورزی دیکھتے ہیں ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگی، حبس بے جا میں رکھنا یہ تمام ان حقوق کی خلاف ورزیاں ہیں جس پر قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ 10-A میں منصفانہ سماعت کے حق کی ضمانت دی گئی ہے لیکن ہم ہر روز عدالتوں میں اس حق کی خلاف ورزی ہوتے دیکھتے ہیں۔

آرٹیکل 11 غلامی و جبری مشقت پر پابندی کی بات کرتا ہے لیکن ہمارے ملک میں جبری مشقت، بانڈڈ لیبر، بچوں سے مشقت، گھریلو بچہ مزدوری جیسے بہت سے مسائل پائے جاتے ہیں جس میں اس پابندی کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہوتی ہے۔

آرٹیکل 15 سے 19 تک میں مختلف سیاسی آزادیوں کی بات کی گئی ہے۔ نقل و حرکت کی آزادی (15) اکٹھ کی آزادی (16) انجمن سازی کی آزادی (17) تجارت، کاروبار یا پیشے کی آزادی (18)، اظہار رائے کی آزادی (19)۔ معلومات کی رسائی کا حق (19-A)۔ ان آزادیوں کی خلاف ورزیوں سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ آج کل ہمارے ملک میں ان آزادیوں پر بہت سی تحدیدات لگائی جا رہی ہیں۔ خاص طور پر انجمن سازی، اظہار کی آزادی کو مختلف حیلے بہانوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آرٹیکل 20 سے 22 تک مذہبی آزادی سے متعلق ہے۔ ان آرٹیکلز میں دیئے گئے تحفظات کو معاشرتی سطح پر اور

سیاسی سطح پر کیسے نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ یہ تحقیق کے حوالے سے اہم موضوعات ہیں۔

تعلیم کا حق قانون کی نظر میں برابری، ملازمت میں امتیازی سلوک سے تحفظ۔ زبان، ثقافت، رسم الخط، ملکیت کا حق یہ تمام حقوق ہمارے آئین میں شامل ہیں۔ سو ہمارے پاس لکھنے کے لیے موضوعات کی کسی صورت کمی نہیں۔ ہم تھانوں، جیلوں اور عدالتوں کے حالات پر لکھ سکتے ہیں۔ ہم قیدیوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک پر آواز اٹھا سکتے ہیں۔ ہم معاشرے میں کمزور طبقات (عورتیں، بچے، معذور، اقلیتیں، خواجہ سرا) کی آواز بن سکتے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ اگر ہم انسانی حقوق کی عینک پہن لیں ہم زندگی کے ہر پہلو کو انسانی حقوق کے تناظر سے بیان کر سکتے ہیں۔

انسانی حقوق کے موضوعات پر رپورٹنگ کرتے ہوئے ضروری نکات

انسانی حقوق کے موضوعات پر رپورٹنگ کرتے ہوئے ذیل کے نکات پر خاص توجہ دی جائے۔

انسانی حقوق کے تصورات سے وابستگی

زیادہ امکان یہ ہے کہ آپ کے پڑھنے اور سننے والے انسانی حقوق کے مطلب سے آگاہ نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آپ کو ہر تصور اور اس کی دلیل واضح طور پر بیان کرنا ہوگی۔

انسانی حقوق سے متعلق کوئی بھی واقعہ بیان کرتے ہوئے اس میں کارفرما (موجود) اصول کو ضرور بیان کریں۔ آپ کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ لوگ آپ سے اپنے اور دوسروں کے حقوق کے بارے میں آگہی حاصل کر سکیں۔

ہر طرح کے امتیاز سے گریز

صحافت میں انسانی حقوق کا زاویہ اپناتے ہوئے ہمیشہ خیال رکھیں کہ غریب، کمزور اور پسماندہ طبقے کے افراد پر آپ کے نقطہ نظر سے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

اعداد وشمار اور حقائق جمع کرتے ہوئے مجموعی پوٹلی تیار کرنے کی بجائے جہاں تک ممکن ہو جزیات میں جاتے ہوئے مختلف زاویوں سے اعداد وشمار کو الگ الگ کر کے دیکھیں مثلاً یہ کہ آپ کے اعداد وشمار کو جنس، زبان، سماجی حیثیت، مالی حیثیت، عمر اور معذوری وغیرہ کے اعتبار سے چھانٹا جائے تو کیا نتائج برآمد ہوں گے۔

انسانی حقوق کے تناظر میں کسی شخص کا انٹرویو کرتے ہوئے فریقین کی طاقت اور کمزوریوں کو مدِنظر رکھیں۔ اس ضمن میں اپنے آپ سے ذیل کے سوالات دریافت کریں۔

میں جس فرد سے بات کر رہا ہوں اس اور میرے درمیان اختیار، طاقت اور رسوخ کا توازن کیا ہے؟ کیا وہ مجھ سے خوفزدہ ہے؟ کیا وہ مجھے وہی بتا رہا ہے جو اس کے خیال میں مجھے سننا پسند ہے؟ میں انہیں کیسے اعتماد دلاؤں کہ وہ کھل کر اپنی بات کہیں؟ ایک سے زیادہ افراد سے بیک وقت بات کرنا ہو تو اس بات کا خیال رکھیں کہ اس گروپ میں کوئی ایسا فرد تو نہیں جس کی موجودگی میں دوسرے لوگ بات کرتے ہوئے گھبرا جائیں یا خوفزدہ ہو جائیں؟ کیا آپ کوئی ایسی بات تو نہیں پوچھ رہے جو دوسرے لوگ ہجوم میں بتانے سے کتراتے ہیں؟ آپ سے بات کرنے والے افراد کون ہیں؟ کیا وہ صرف مرد یا صرف عورتیں ہیں؟ کیا وہ ایک ہی لسانی یا نسلی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ کیا ان کی مالی اور سماجی حیثیت ایک جیسی ہے؟ اگر آپ کو مجبوراً فرداً فرداً بات کرنے کی بجائے گروپ ہی سے بات کرنا پڑے تو اس بات کا خیال رکھیں کہ جہاں تک ممکن ہو گروپ کے افراد ایک جیسے ہوں یعنی صرف مرد یا صرف عورتیں۔ صرف اکثریتی گروہ یا صرف اقلیتی ارکان۔ صرف بوڑھے افراد یا صرف نوجوان۔ تاکہ انہیں آپ سے بات کرتے ہوئے کم سے کم جھجک محسوس ہو۔

شفافیت

انسانی حقوق سے متعلقہ معاملات پر رپورٹ کرنے سے پہلے یقینی بنائیں کہ آپ نے درست، ٹھوس اور قابل تصدیق حقائق جمع کر لئے ہیں۔ معلومات کے حصول کے لیے شفاف طریقہ کار کا ہونا ضروری ہے۔

انسانی حقوق کے کسی معاملے پر متعلقہ فرد سے گفتگو کرنے سے پہلے طے کر لیں کہ آپ کس کی نمائندگی کر رہے ہیں؟ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ اور آپ کو کس معاملے پر حقائق کی تلاش ہے؟ آپ پر یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ آپ اس معاملے پر کس طرح رپورٹ کریں گے اور اس سلسلے میں آپ کے لیے کن حقائق کا جاننا ضروری ہے؟ انٹرویو دینے والے فرد سے دریافت کر لیں کہ کیا وہ اپنے نام سے حقائق دینا چاہے گا یا وہ اپنی شناخت خفیہ رکھنا چاہتا ہے؟ کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اِس اصول کی بنیاد یہ ہے کہ حقائق اور معلومات اکٹھی کرتے وقت متاثرین کے لیے مزید نقصان کا باعث نہ بنیں۔ انٹرویو لینے والوں کو معلومات کی رازداری کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔

حساسیت

اپنے موضوع کی ثقافتی، سیاسی اور مذہبی حساسیت کو ہمیشہ مدِنظر رکھیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی عورت سے ایسے معاملے پر بات کرنا ہو جو عورتوں کی پرائیویسی میں شمار کی جاتی ہے تو کوشش کریں کہ متعلقہ خاتون سے کوئی خاتون صحافی بات کرے۔ کسی خاص ثقافتی یا لسانی پس منظر میں کوشش کرنی چاہیے کہ یا تو ایسا صحافی معاملے کی تحقیق کرے جو خود متعلقہ پس منظر سے تعلق رکھتا ہو یا کم از کم اس سے لوگوں کی مخصوص حساسیت کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر لیں۔ خصوصی طور پر عورتوں، بچوں، مذہبی اقلیتوں، معذور افراد اور خواجہ سراؤں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں غیر معمولی حساسیت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس میں سوالات کے چناؤ سے لے کر معلومات کی رازداری تک تمام اہم مراحل شامل ہیں۔

ذرائع کی حفاظت

حقائق معلوم کرتے وقت اپنے سورس یعنی ذرائع کی حفاظت سے کبھی غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر معمولی سا بھی خدشہ ہو کہ آپ کو معلومات دینے کے نتیجے میں انہیں خطرے یا تشدد کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے تو ان سے خفیہ مقام پر بات چیت کیجئے اور رپورٹ تیار کرتے وقت ان کی شناخت ظاہر نہ کیجئے۔ اگر آپ کو لگے کہ جن لوگوں سے آپ بات کر رہے ہیں یا انہیں متعلقہ معاملے سے جڑے ہوئے خطرات کا پورا علم نہیں تو انہیں صاف صاف بتا دیں۔ اپنے ذرائع کی حفاظت کا خیال رکھنا محض صحافتی دیانت داری ہی نہیں بلکہ بنیادی انسانی حقوق کا معاملہ بھی ہے۔

حکومت سے جوابدہی

اگر حکومت بین الاقوامی معاہدوں کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں غفلت سے کام لے رہی ہو تو اپنی رپورٹ میں اس کا ذکر کیجئے۔ یہ بات اہم ہے کہ صحافی انسانی حقوق کی تکریم، حفاظت اور ضمانت کے معاملے میں حکومت کو جواب دہ ٹھہرانے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں۔

شرکت

اگر آپ کسی پسماندہ، کمزور یا پچھڑے ہوئے گروہ کے حقوق پر کام کر رہے ہیں تو متعلقہ افراد کی موجودہ اور آئندہ حفاظت کو مدِنظر رکھتے ہوئے بھی ضروری ہے کہ ان کی آواز اور رائے آپ کی رپورٹ کا حصہ ہو۔ انسانی حقوق کے معیارات کا تقاضا ہے کہ لوگوں کی شرکت اور اختیار کو یقینی بنایا جائے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ صورت حال پر براہ راست روشنی ڈال سکتے ہیں بلکہ بعض حالات میں مسائل کا ایسا حل بھی دریافت کر سکتے ہیں جو ان کے مخصوص حالات میں قابلِ عمل ہو۔

شہریوں کو بااختیار بنانا

اگر آپ سے رابطے کرنے والوں کو اپنی حفاظت کے

خدشات نہ ہوں تو اس بات کو یقینی بنایئے کہ وہ مزید معلومات ملنے کی صورت میں آپ سے رابطہ کرسکیں۔ جہاں ضرورت ہو اُنہیں دوسرے صحافیوں کے بارے میں بھی بتایئے جواُن کے انسانی حقوق کے بارے میں تشویش رکھتے ہیں تا کہ اگر ضرورت پیش آئے تو انہیں ایک فرد کی بجائے وسیع تر حمایت حاصل ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مسئلے سے آگاہ کیا جاسکے۔

اپنی حفاظت یقینی بنایئے

صحافیوں کو بھی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس تحفظ کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ قانون میں صحافت اور صحافیوں کے تحفظ کی ضمانت ملنی چاہیے۔ بعض اوقات یہ تحفظ عدالتوں (بعض اوقات بین الاقوامی عدالتوں) سے بھی ملتا ہے جو سمجھتی ہیں کہ صحافت کی آزادی کے بغیر جمہوری آزادیوں کا تحفظ ممکن نہیں۔ آزاد صحافت ہی وہ پلیٹ فارم ہے جہاں عوام اپنی حکومت کو جوابدہ ٹھہرا سکتے ہیں۔ صحافیوں کے تحفظ کی ممکنہ طور پر مضبوط ضمانت صحافیوں کا اتحاد اور یکجہتی ہے۔ اب صحافت میں بین الاقوامی رابطے آسان ہو رہے ہیں اگر صحافی سمجھتے ہیں کہ ان کے اپنے ملک میں ان کی مناسب دادرسی نہیں ہو رہی تو وہ دوسرے ممالک میں اپنے ہم پیشہ صحافیوں سے بھی حمایت کی درخواست کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحافیوں کے تحفظ کے لیے بہت سی بین الاقوامی تنظیمیں بھی کام کرتی ہیں۔

انسانی حقوق کی رپورٹنگ کے لیے درکار مہارتیں

1۔ معلومات، شواہد اور قابلِ تصدیق ثبوت تلاش کرنے کی مہارت
2۔ قوانین اور انسانی حقوق کے معیارات کے متعلق تحقیق کی مہارت
3۔ صحیح سوال اٹھانے کی مہارت
4۔ بیانات اور دلائل پرکھنے کی مہارت
5۔ تجزیہ کرنے کی مہارت
6۔ متعلقہ اور غیر متعلقہ معلومات کو چھانٹنے کی مہارت
7۔ فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا استعمال
8۔ حقائق اور اعداد و شمار کو تخلیقی انداز میں استعمال کرنا
9۔ موزوں زبان کا استعمال

انسانی حقوق کے مسائل پر لکھنے کے مراحل

انسانی حقوق کے مسائل پر لکھنے کے لیے (خواہ آپ پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا کے لیے لکھ رہے ہوں) موضوع پر مکمل تحقیق، پلاننگ، انسانی حقوق کے معیارات اور قوانین کا علم اور لکھنے کی مہارت ہونی چاہیے۔ ذیل میں انسانی حقوق کے مسائل پر لکھنے کے لیے مراحل کی فہرست بیان کی جارہی ہے۔

1۔ انسانی حقوق کے مسئلے کی نشاندہی

کسی ایسے موضوع کا انتخاب کریں جس سے آپ براہ راست متاثر ہوئے ہوں۔ ایسی صورت میں آپ کی تحریر میں ذاتی تجربے کی گہرائی بھی شامل ہوجائے گی اور آپ مسئلے کی ایڈووکیسی اور انسانی حقوق کے فروغ اور کمیونٹی کے انسانی حقوق کو بہتر طریقے سے بیان کر پائیں گے۔ اپنے آپ سے سوال کریں کہ اس مسئلے پر لکھنا کیوں اہم ہے؟

2۔ اپنا مقصد بیان کریں

آپ کا مقصد مسئلے کے انتخاب کے تناظر میں مختلف ہوسکتا ہے۔ اگر آپ کی تحریر کسی انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے متعلق ہے۔ ایک فعال صحافی کے طور پر آپ کا مقصد انتہائی منصفانہ، معروضی اور غیر جانب دارانہ طریقے سے اس خلاف ورزی کی نشان دہی کرنا ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے اس مسئلے کے تمام فریقین کی رائے سن لی ہے اور کسی کی حمایت یا مخالفت کرنے کی بجائے غیر جانبدارانہ طریقے سے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔

3۔ اس بات کا فیصلہ کریں کہ آپ کس کے لیے لکھ رہے ہیں

آپ کے مخاطبین کون ہیں اور آپ کس کے لیے یہ سٹوری تیار کر رہے ہیں۔ اپنے متعلقہ سامعین اور ناظرین کے بارے میں سوچیں۔ آپ کے مخاطب سرکاری نمائندے ہوسکتے ہیں۔ مختلف سٹیک ہولڈرز ہوسکتے ہیں یا عام لوگ ہوسکتے ہیں۔ مخاطبین کی نوعیت کے مطابق آپ کے پیغام کی نوعیت تبدیل ہوجائے گی۔ منتخب نمائندوں سے آپ ایڈووکیسی کے پہلوؤں پر بات چیت کریں گے جبکہ عوام کے لیے آپ زیادہ تر حقوق آگہی اور حقوق کے لیے آواز اٹھانے اور پبلک ایڈووکیسی پر بات کریں گے۔

4۔ میڈیا کی قسم کا تعین کریں

اپنے مخاطبین کی نوعیت کے مطابق میڈیا کی قسم کا تعین کریں۔ اپنے آپ سے سوال کریں کیا یہ کوئی تفتیشی، تحقیقاتی رپورٹ ہے یا کوئی کیس سٹڈی ہے۔ یا کوئی ریسرچ آرٹیکل ہے۔ اسے اخبار کے لیے تیار کرنا ہے یا ٹی وی کے لیے۔ اپنے مخاطبین کو سامنے رکھتے ہوئے بہتر قسم کا انتخاب کریں۔

5۔ مختلف تناظر میں انسانی حقوق کی گہری تفہیم

کسی بھی مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق اس مسئلے کے مختلف تناظر سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ یک رخی تحریر پورا سچ بیان نہیں کر پاتی۔ مسئلے کے لوکل کمیونٹی، علاقے، ملک پر اثرات جاننے کی کوشش کریں۔ اپنے آپ سے سوال کریں کہ میری یہ سٹوری اس مسئلے کی تفہیم میں کیسے مددگار ثابت ہوگی۔

6۔ مسائل سے متعلقہ قانونی فریم ورک کا جائزہ

مسئلے کی نشاندہی، اس کا پس منظر جاننے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ کن حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور ملکی اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون میں دادرسی کے کون سے پہلو موجود ہیں۔ کسی بھی مسئلے کو سماجی پہلو سے سمجھنے کے ساتھ ساتھ قانونی پہلو سے جانچنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے آپ اپنی رپورٹ کی اہمیت میں اضافہ کر رہے ہوتے ہیں اور متاثرین کے لیے قانونی لائحہ عمل بھی تجویز کر رہے ہوتے ہیں۔

7۔ شواہد اکٹھے کرنا

وہ تمام صحافی جو انسانی حقوق کے مسائل پر لکھتے ہیں اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دلائل کی حمایت میں شواہد اکٹھے کریں۔ وہ دستاویزی ثبوت یا سمعی و بصری مواد ہوسکتا ہے۔ کیس سٹڈیز اس ضمن میں بہت اچھا ریسورس ہیں جن کی مدد سے ماضی میں ایسے مسائل کی نشاندہی اور ان سے نمٹنے کی حکمت عملی کے بارے میں سیکھا جاسکتا ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی کیس سٹڈی تیار کرنا

جب آپ انسانی حقوق کی کسی خلاف ورزی کے لیے کیس سٹڈی تیار کررہے ہوں تو مندرجہ ذیل پہلوؤں کا خاص خیال رکھیں۔

1۔ خلاف ورزی کا پس منظر
2۔ خلاف ورزی کی نوعیت۔ کس حق کی خلاف ورزی ہوئی۔ آبادی کے کس گروہ کو کن حقوق سے محروم کیا گیا
3۔ محروم کرنے والے کون تھے۔ افراد، گروہ یا کوئی ادارہ
4۔ ان کے اس مسئلے سے کیا مفادات وابستہ تھے
5۔ ان کی حمایت یا سرپرستی کون کررہا ہے
6۔ مختلف ریاستی اداروں کا ردِعمل کیا ہے
7۔ مختلف سماجی اداروں، سول سوسائٹی گروپس کا ردِعمل کیا ہے
8۔ جن کے حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے کیا وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ ان کے کون سے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔
9۔ آخر میں آپ کی طرف سے کچھ سفارشات کہ ان مسائل کو کیسے حل کیا جاسکتا تھا۔

دنیا میں انسانی حقوق کا شعور تیزی سے پھیل رہا ہے۔ بہت سے افراد، ادارے اور تنظیمیں اس کے لیے دن رات کام کررہے ہیں۔ اسی طرح بہت سے اداروں نے واضح ہدایات دی ہیں کہ ہمیں اپنے محروم طبقات کے بارے میں میڈیا کوریج میں کن پہلوؤں کا خیال رکھیں۔

انسانی حقوق کا عالمی دن

تربت مکران انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر 10 دسمبر 2020 کو ایچ آر سی پی کے ریجنل آفس تربت مکران میں ایک اہم اجلاس منعقد ہوا، جس میں انسانی حقوق کے سرگرم کارکنان نے شرکت کی۔ رجسٹریشن، اپنے اپنے تعارف اور ابتدائی کلمات کے بعد شرکاء نے اظہار خیال کیا۔ سب سے پہلے غنی پرواز نے ''انسانی حقوق کی تعریف، تاریخ اور اقسام'' پر ایک لیکچر دیا۔ جبکہ بعد میں کئی شرکا نے باری باری مکران اور بلوچستان سمیت پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی صورتحال پر اظہار خیال کیا، جن میں خان محمد جان، راجہ احمد خان، فضل کریم، شگراللہ یوسف، بشیر کسانوی، شعیب شاداب، جمشید غنی، ڈاکٹر سمی پرواز، منور علی رٹہ، مولابخش، شیہک لعل، قاسم ارمان، زمان خورشید، سرفراز شاہ، بلال بہار اور نصیر احمد بلیدئی شامل تھے۔ جن کا کہنا تھا کہ دنیا چاند اور مریخ تک پہنچ چکی ہے، لیکن، ہمیں زمین پر اور اپنے ملک میں اپنے بنیادی انسانی حقوق بھی صحیح معنوں میں نہیں مل رہے ہیں، جن میں حقِ زندگی، حقِ صحت، حقِ تعلیم، حقِ روزگار، حقِ رائے دہی، حقِ نمائندگی، حقِ نقل و حمل، حقِ نظریہ، حقِ عقیدہ، حقِ سیاست، حقِ زبان، حقِ ثقافت حقِ اوقاتِ کار، معقول معاوضہ اور تنخواہ کا حق، کام کی جگہ پر تحفظ کا حق، حقِ مال و جائیداد، حقِ انصاف اور اسی نوعیت کے دوسرے حقوق بھی شامل ہیں۔ اور سب پر طرّہ یہ کہ ہمیں اپنے حقوق سے محرومی کے بارے میں اظہار خیال کرنے کا حقیقی حق بھی حاصل نہیں۔ اور پھر سب نے پُرزور مطالبہ کیا کہ ملک کے تمام شہریوں کو اُن کے پورے بنیادی انسانی حقوق دیئے جائیں تاکہ وہ ان حقوق کی بنیاد پر اور اُن کے ذریعے جدوجہد کر کے خود بھی ترقی کر سکیں اور ملک و قوم کو بھی ترقی دے سکیں۔ آخر میں 6 قراردادیں بھی پیش کی گئیں، جو اتفاقِ رائے سے منظور کر لی گئیں۔

(غنی پرواز)

اوکاڑہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ڈسٹرکٹ کور گروپ اوکاڑہ نے انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر 10 دسمبر کو اوکاڑہ میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں انسانی حقوق کے فعال کارکنوں نے شرکت کی۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق کے نظام کے نفاذ کا سلسلہ 10 دسمبر 1948 کو شروع ہوا جب اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ منظور کیا، جس میں تمام انسانوں کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے کسی شخص کو جسمانی اذیت، ظالمانہ، انسانیت سوز یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔ اُس دن کی اہمیت کو اجاگر کیا کریں۔ مقررین نے کہا کہ تمام مذاہب کو یکساں آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ تقریب کے مقررین میں اصغر حسین حماد، واجد علی، اجمل بیدار اور شہباز شامل تھے۔

(اصغر حسین حماد)

نواب شاہ 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر سول سوسائٹی کی جانب سے ایک شراکتی مکالمے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت ہاری ویلفیر ایسوسی ایشن کے صدر محمد اکرم خاصخیلی نے کی۔ مکالمے سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کیلیے عالمی اعلامیے پر عملدرآمد ناگزیر ہو چکا ہے۔ انسانی حقوق کی تحریکیں معاشرے میں انسانی وقار کو بہتر بنانے میں اپنا اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں کسانوں اور مزدوروں کے استحصال کی روک تھام کیلیے ایک مربوط پیش رفت کی ضرورت ہے اور موثر قانون سازی کے ساتھ ساتھ اس پر عملداری کیلیے بھی اہم اقدام اٹھانے ہوں گے۔ اس موقع پر لبیک ویلفیر آرگنائزیشن کی رشیدہ مغل کا کہنا تھا کہ عورتوں کے ساتھ مظالم اور کم عمر بچیوں کی شادیوں کے خلاف قانون سازی تو کی گئی مگر اس پر عملدرآمد کرانے میں ریاست کو موجودہ حالات میں سخت اقدامات اٹھانے ہونگے۔ ایچ آر سی پی کے آصف البشر نے کہا کہ اقلیتی طبقات کے حقوق کی بحالی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جبری تبدیلی مذہب اور عدم تحفظ کا شکار ہونے والی اقلیتیں ریاستی اداروں سے اپنے تحفظ کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اس موقع پر دیگر مقررین نے بھی خیالات کا اظہار کیا۔

(آصف البشر)

جمرود انسانی حقوق کا عالمی ہمیں یاد دلاتا ہے کہ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور اُن کے مساوی حقوق ہیں۔ ہمیں انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لئے کام کرنا چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار مسعود شاہ نے آج جمرود میں ہونے والے اجلاس کے شرکاء سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایسے لوگ ہیں جو طویل عرصے سے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ ہماری خواتین بھی انسان ہیں اور ان کے ساتھ بھی یکساں سلوک کیا جانا چاہیے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے پچھلے 20 سالوں میں میں انسانی حقوق کے کئی کارکن کھو دیے ہیں جن میں ظریف خان آفریدی بھی شامل ہیں۔ ہمیں ہر ایک فرد، خاص طور پر خواتین اور مذہبی اقلیتوں کا احترام کرنا چاہیے۔ اس موقع پر انسانی حقوق کے دیگر کارکنوں نے بھی خطاب کیا اور فیصلہ کیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں انسانی حقوق کے لئے کام جاری رکھیں گے۔

(مسعود شاہ)

چمن ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے ضلعی کور گروپ نے 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر، کاکوزئی ہاؤس بائی پاس روڈ چمن میں ایک تقریب منعقد کی جس سے ایچ آر سی پی کے ضلعی کوآرڈینیٹر محمد صدیق چمن، فرید نثار ایڈووکیٹ، حافظ سیف الرحمان، اور پروفیسر خلیل اللہ مدنی نے خطاب کیا۔ مقررین کا کہنا تھا کہ آج کا دن 1948 میں اقوام متحدہ کے منظور کردہ عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی یاد دلاتا ہے جس میں تمام انسانوں کے بنیادی حقوق و آزادیوں کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے۔ اس منشور کی منظوری کے ذریعے پہلی مرتبہ تمام ممالک کے لیے یکساں اصولوں کا تعین کیا گیا۔ اس دستاویز کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا بھر میں چار سو سے زائد زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کا شمار ان پہلے 48 ممالک میں ہوتا ہے جنہوں نے اس اعلامیے کو منظور کرنے میں پہل کی۔ یہ اعلامیہ انسانوں کی برابری، احترام، آزادی، رنگ و نسل کے امتیازات کے خاتمے، صنفی برابری، تمام بنیادی حقوق کے تحفظ، انسانوں کے مابین بھائی چارے، اپنے اپنے مذاہب و عقیدوں پر یقین رکھنے، آراء کے اظہار، سمیت تمام جمہوری و مہذب اصولوں کی پاسداری پر زور دیتا ہے۔ دنیا کے تمام افراد، معاشروں اور حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اس عالمی اعلامیے کی روشنی میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ دیں۔ مقررین کا کہنا تھا کہ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جن ممالک نے اپنے معاشروں میں انسانی حقوق کا احترام یقینی بنایا وہ ترقی و خوشحالی کے سفر میں تیزی سے آگے بڑھتے گئے۔ آج دنیا کے تمام ممالک کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کو ظلم و ستم سے پاک کرنے کے لیے مثبت کردار ادا کریں۔ تقریب کے آخر میں تمام شرکا میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کی نقول تقسیم کی گئیں۔

(محمد صدیق شمشاد)

چنیوٹ ہیومن رائٹس کمیسن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے ضلعی کور گروپ نے 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ایک اجلاس منعقد کیا جس میں انسانی

حقوق کے اعلامیے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور اس میں درج حقوق کے احترام پر زور دیا گیا۔ مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی مطابقت میں قانون سازی کرنے کے علاوہ اسے نصابی کتب کا حصہ بنایا جائے۔ مقررین میں ایچ آر سی پی کو ضلعی کوآرڈینیٹر سیف علی خان، احمد نوید اور بشارت حسین ایڈووکیٹ کے علاوہ دیگر شامل تھے۔ شرکا میں، ولایت بی بی، ابرار حسین، ریحان، ماسٹر طاہر بھٹی، عامر محمود، اور مظہر حسین خان شامل تھے۔ مقررین نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے خاطر خواہ اقدامات نہ کرنے اور انسانی حقوق کے حوالے سے اچھی کارکردگی نہ دکھانے پر پاکستان کو عالمی سطح پر تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ انسانی حقوق کے میدان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر کے ہی ہم قوموں میں اپنا اچھا نام کما سکتے ہیں اور قوم کی ترقی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ مقررین نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کو جدید انسانی تاریخ میں ایک منفرد دستاویز قرار دیا جسے دنیا کی تمام اقوام نے تسلیم کر رکھا ہے۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور تمام انسانوں کی برابری، آزادی، احترام، اور ترقی پر زور دیتا ہے۔ ہماری حکومت کو چاہیے وہ انسانی حقوق کے تحفظ کو اپنے ایجنڈے میں نمایاں مقام دے اور حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے درکار تمام اقدامات کرے۔

(سیف علی خان)

سکردو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اور سکردو پریس کلب کے اشتراک سے پریس کلب سکردو میں ایک تقریب رکھی گئی۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے کونسل رکن وزیر مظفر ح نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ گلگت بلتستان کو آئینی صوبے کا درجہ دیا جائے۔ مقررین کا کہنا تھا کہ خطے کے عوام گذشتہ تین برسوں سے حقوق سے محروم ہیں۔ علاقے میں بنیادی سہولیات کا فقدان، صحت کے ناکافی انتظامات ہیں، اور کمر توڑ مہنگائی نے غریب سے دو وقت کی روٹی بھی چھین لی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شہری اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض پر بھی توجہ دیں اور جب تک وہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند نہیں کریں کے اس وقت تک مسائل حل نہیں ہوں گے۔ تقریب سے ایچ آر سی پی کے کونسل رکن وزیر مظفر کے علاوہ، سابق نگران وزیر قانون یاسین ایڈووکیٹ، پیپلز لائرز فورم کے صدر ایڈووکیٹ بشارت غازی، صدر پریس کلب قاسم نسیم، سماجی رہنماء نجف علی، پاکستان تحریک انصاف کے رہنما یوسف نمبردار، محمد علی دلشاد سینئر صحافی قاسم بٹ اور ذیشان مہدی نے خطاب کیا۔

(وزیر مظفر)

قیدیوں، اور جیل کے نچلے عملے کے حقوق پر توجہ دی جائے

گوجرانوالہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے ایک وفد نے جس کی قیادت انسانی حقوق کے کارکن محمد سعید اعوان کر رہے تھے، نے سنٹرل جیل گوجرانوالہ کے سپریٹنڈنٹ ساجد بیگ سے 29 ستمبر کو ان کے دفتر میں ملاقات کی اور جیل کے حالات معلوم کیئے۔ انہوں نے کہا کہ حافظ آباد اور نارووال جیل کے بننے کے بعد بھی جیل میں گنجائش سے زائد قیدی ہیں۔ جس کی کئی وجوہات ہیں جن میں نمایاں طور پر عدالتوں میں مقدمات سست روی کا شکار ہیں، مزید مدعی ہی کیسز کی پیروی نہیں کرتے۔ ڈکیتی کے مجرموں کو کم ہی سزا یافتہ دیکھا ہے جس کی وجہ سے وہ جرائم کی وجہ سے وہ جیل آتے جاتے ہیں اور کئی دوسرے بھی حوصلہ پا جاتے ہیں۔ اسسٹنٹ سپریٹنڈنٹ جیل وقیع الزماں نے HRCP کے وفد کو بتایا کہ قیدیوں کے بہتر مستقبل کے لئے Tevta کی مدد سے موٹر وائنڈنگ، موٹر مکینک اور کمپیوٹر کورسز جیسے کام سکھائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی بہتر صحت کے لئے جیل ہسپتال میں دو سائیکالوجسٹ، موجود ہیں جو قیدیوں کی نفسیاتی کیفیت کو چیک کرتے ہیں، مختلف لیکچرز کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کے ایک لیڈی گائنالوجسٹ بھی موجود ہے۔ جب کہ ڈینٹل سرجن، آرتھوپیڈک اور ہارٹ سپیشلسٹ کی بھی سہولت موجود ہے۔ سپاہی محمد سلیم نے اپنی مشکلات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک تو ان کا دوسرے شعبوں میں کام کرنے والی اسی رینک کے افراد کا ہم سے تقریبا 15000 تنخواہ کا فرق ہے جو کہ سراسر زیادتی ہے اور مزید کہ ہماری ڈیوٹی کے اوقات صبح طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہیں کبھی زیادہ بھی ٹائم ہو جاتا ہے۔ ایسے میں جو ملازمین نارووال، شکرگڑھ یا دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں ان کے لئے وقت پر پہنچنا کافی مشکل ہے۔ مزید براں گرمیوں میں مناسب shelter کا انتظام ہے جب کہ کھانے پینے کا بھی کچھ فقدان ہے۔ وفد میں امتیاز احمد اعوان، محمد عرفان، رانا عنصر شامل تھے۔ اسسٹنٹ سپریٹنڈنٹ وقیع الزماں کے دیئے ہوئے اعداد و شمار کے مطابق گوجرانوالہ سنٹرل جیل میں قیدیوں کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں:

نمبر شمار		مرد	عورتیں
1۔	سزا یافتہ با مشقت	353	20
2۔	سزا یافتہ مشقت کے بغیر	16	
3۔	اٹھارہ سال سے کم عمر	1	
4۔	ہائی کورٹ کیسز	124	
5۔	سپریم کورٹ کیسز	14	
6۔	صدر سے رحم کی اپیل (مسترد شدہ)	1	
7۔	صدر سے رحم کی اپیل (زیرالتوا)	1	
8۔	نظر بند (مجلس، ماتم بغیر اجازت)	1	
9۔	کاؤنٹر ٹیررزم (انڈر ٹرائل)	6	
10۔	توہین (295 A B C)	16	
11۔	سیکورٹی مشکوک، سیکورٹی ایکٹ	3	
12۔	زیر سماعت	2346	48
13۔	کم عمر (زیر سماعت)	50	
14۔	انڈین قیدی	2	
15۔	سول قیدی	44	
16۔	افغان قیدی	1	
17۔	ٹوٹل قیدی	2980	68
18۔	کل تعداد (مرد و خواتین) 3048		
19۔	جیل میں گنجائش	1377	48

کل تعداد (گنجائش): 1425

(محمد سعید اعوان، فراہم کردہ اعداد و شمار جیل حکام گوجرانوالہ)

16 دسمبر 1971 کا سبق

زاہدہ حنا

دسمبر سال کا آخری مہینہ ہوتا ہے۔اس حوالے سے اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمیں یہ جانچنے اور پرکھنے کا موقع ملتا ہے کہ رخصت ہونے والے سال کے دوران ہماری کارکردگی کیسی رہی ہے۔

انفرادی سطح پر یہ تجزیہ کیا جاتا ہے کہ آپ یا ہم جس شعبے سے وابستہ ہیں، اس میں ہم کتنا آگے بڑھ سکے ہیں۔ہم اگر وہیں کھڑے ہیں جہاں گزشتہ سال کھڑے تھے تو اس کی وجہ کیا ہیں؟ ہماری وہ کون سے خامیاں ہیں جو ہماری ترقی اور آگے بڑھنے کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں اور انھیں آنے والے سال میں کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔

دسمبر کے مہینے میں صرف افراد ہی نہیں بلکہ اقوام بھی اپنا جائزہ لیتی ہیں۔ ہر ملک یہ دیکھتا ہے کہ اقوامِ عالم کی برادری میں سماجی، معاشی اور سیاسی حوالوں سے اس کا مقام بلند ہوا ہے یا وہ ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ گیا ہے۔ کوئی ملک اگر یہ دیکھتا ہے کہ اس سال کے دوران اس نے خاطر خواہ ترقی نہیں کی ہے تو اس کے اسباب جاننے اور پھر انھیں ختم کرنے کی بھرپور کوششیں کی جاتی ہیں۔

دسمبر 2020 کا ختم ہوتا مہینہ ہمیں اس امر پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ آزادی کے 73 سال مکمل ہونے کے بعد ہم آج کہاں کھڑے ہیں؟ بالکل دیانتداری سے جائزہ لیا جائے تو یہ تلخ حقیقت سامنے آئے گی کہ دنیا کے دیگر ملکوں کی بات تو جانے دیں ہم خود اپنے خطے کے تقریباً تمام ملکوں سے بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہندوستان کا ذکر بھلا کیا، وہ تو دنیا کی پانچویں سب سے بڑی معیشت بن چکا ہے، بنگلہ دیش جس پر ہم کبھی "رحم" کھایا کرتے تھے آج معاشی اور سماجی ترقی کے تمام اشاریوں میں ہم سے بہت آگے ہے۔

زیادہ دور نہ جائیں پڑوس کے ملک افغانستان پر نظر ڈالیں۔اس ملک کو عالمی طاقتوں نے دہائیوں تک میدانِ جنگ بنائے رکھا اور جواب بھی خانہ جنگی کی حالت میں ہے، وہ بھی کئی حوالوں سے ہم سے بہتر صورت حال میں ہے۔پچھلے ماہ جب ہمارے وزیراعظم افغانستان تشریف لے گئے تو انھیں کورونا کے خلاف جنگ میں مدد کی غرض سے کئی کروڑ ڈالر کی امداد عطا کی گئی۔

چند سال پہلے افغانی اور پاکستانی سکے کی شرح تبادلہ میں تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ پاکستانی روپے کی قدر افغانی کے مقابلے میں ناقابلِ یقین حد تک گر چکی ہے۔ جب کسی ملک کو اس نوعیت کی غیر معمولی صورت حال کا سامنا ہوتا ہے تو عموماً وہ دو بالکل مختلف انداز میں اپنے ردِعمل کا مظاہرہ کرتا ہے یا تو وہ حقائق کی سنگینی کے اسباب خود اپنے اندر تلاش کرتا ہے یا پھر وہ نفسیاتی طور پر مایوس اور پریشان ہوکر خوف زدہ ہوجاتا ہے اور تنقیدی سے فرار حاصل کرنے کے لیے اپنی کوتاہیوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتا ہے۔

اپنی ناکامیوں کے حوالے سے ہمارا کیا رویہ ہے اس کا اندازہ ایک ایسے بھیانک اور غیر معمولی المیے اور حادثے کے تناظر میں لگایا جاسکتا ہے جو دسمبر 1971 کی 16 تاریخ کو رونما ہوا تھا۔ جب یہ سطریں آپ کی نظروں سے گزر رہی ہیں تو دیکھیے کہ آج کیا تاریخ ہے آج 16 دسمبر 2020 ہے۔

16 دسمبر ہماری قومی تاریخ کا کوئی عام اور معمولی دن نہیں ہے۔ یہ وہ تاریخ ہے کہ جب 14 اگست 1947 کو تخلیق پانے والا ملک صرف 24 سال مکمل کرنے کے بعد 16 دسمبر 1971 کو دولخت ہوگیا تھا۔ پاکستانیوں کی اکثریت اس ملک سے الگ ہوگئی تھی جس کے لیے اس نے بے مثال جدوجہد کی تھی۔

آج کے دن کیا آپ اور ہم نے اپنے دلوں میں کوئی دکھ محسوس کیا، کیا آج ہمارے ملک میں سوگ کی کیفیت کہیں نظر آرہی ہے؟ سوال صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اتنے بڑے المیے کو اتنی آسانی سے کیوں اور کیسے فراموش کردیا؟ یوں لگتا ہے کہ جیسے کل کا مشرقی پاکستان ہمارے ملک کا کبھی کوئی حصہ ہی نہیں تھا۔اس قدر غیر معمولی اَلمیے پر ہماری خاموشی سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ہم تلخ حقائق پر بحث اور گفتگو سے اس لیے کتراتے ہیں کیوں کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں ساری غلطی خود ہماری اپنی نکل آئے گی۔

آج سے 50 سال قبل رونما ہونے والے اس قومی سانحے کے پس پشت کارفرما حقائق سے آنکھیں نہ چرائی گئی ہوتیں تو ہم ایک نہ ختم ہونے والے بحران میں کبھی گرفتار نہ رہتے اور ترقی کے میدان میں اپنے خطے کے دوسرے ملکوں سے کہیں آگے نکل چکے ہوتے۔

میرا موقف یہ ہے کہ آزادی کے فوراً بعد غیر معمولی حالات اور سیاسی خلاء کا فائدہ اٹھا کر وہ طاقتور عناصر بعض سیاسی کرداروں سے ساز باز کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی خواہش سے گریز کرتے تو نہ صرف پاکستان دو ٹکڑے ہونے سے بچ جاتا بلکہ دیگر نو آزاد ملکوں کے لیے ایک روشن مثال بن جاتا۔ آزادی کے بعد آئین بنانے کی جتنی بھی کوششیں کی گئیں انھیں ناکام بنانے کے لیے ان عناصر نے ہر حربہ استعمال کیا لیکن اس کے باوجود سست رفتاری سے سہی دستور ساز اسمبلی میں موجود مشرقی اور مغربی پاکستان کے نمائندوں نے آئین سازی کے عمل کو آگے بڑھایا۔ اس عمل میں تعطل پیدا کرنے کی غرض سے حکمران اشرافیہ کے نمائندے گورنر جنرل غلام محمد خان نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے 1953 میں خواجہ ناظم الدین کی حکومت برطرف کردی۔

جب خواجہ ناظم الدین کو اُن کے منصب سے ہٹایا گیا تو اُن کی حکومت کو ارکان پارلیمنٹ کی واضح حمایت حاصل تھی۔ امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمد علی بوگرہ کو کٹھ پتلی وزیر اعظم بنادیا گیا۔ ان کا انتخاب اس لیے بھی کیا گیا کہ وہ ایک بنگالی تھے اور امریکہ بھی انھیں پسند کرتا تھا۔ وزیر اعظم محمد علی بوگرہ سے جو کابینہ بنوائی گئی اس میں ایک سابق جنرل اور سول سرونٹ اسکندر مرزا کو وزیر داخلہ بنادیا گیا اور باوردی آرمی چیف جنرل ایوب خان وزیر دفاع مقرر ہوئے اور بیوروکریسی کے اہم رکن چوہدری محمد علی کو وزیر خزانہ بنادیا گیا۔

اس طرح پرامن جمہوری اور سیاسی جدوجہد سے معرضِ وجود میں آنے والے ملک پر غیر سیاسی اور غیر جمہوری قوتوں کے غلبے کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا۔ اس غلبے کو مزید مستحکم کرنے کے لیے کئی اقدامات اٹھائے گئے۔ مشرقی پاکستان کے خلاف مغربی پاکستان کو متحد کرنے کے لیے نومبر 1954 میں چھوٹے صوبوں کی خواہش کے برعکس ون یونٹ کا نظام مسلط کیا گیا اور مشرقی پاکستان کی عددی برتری ختم کرنے کے لیے برابری (پیرٹی) کا نظام بنا کر دونوں حصوں کی نمائندگی مساوی کردی گئی۔ ان تمام غیر جمہوری اقدامات کے باوجود مغربی اور مشرقی پاکستان کے نمائندوں نے 1956 کا آئین منظور کرلیا جس کے مطابق 1958 میں عام انتخابات کا انعقاد طے پایا۔

اب مرحلہ یہ درپیش تھا کہ 1958 کے مجوزہ انتخابات کو کس طرح روکا جائے کیوں کہ اُس وقت کی حکمران اشرافیہ یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مشرقی پاکستان کے عوام میں شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ اس غصے کا بڑا اظہار 1952 میں بنگلہ زبان کے لیے شروع کی گئی تحریک کے دوران ہوا تھا۔ جس کے بعد 1954 میں جگتو فرنٹ کی کامیابی نے یہ واضح کردیا تھا کہ مشرقی بازو کے پاکستانی کسی بھی صورت میں جمہوری نظام پر کوئی سودا نہیں کریں گے۔ 1958 میں انتخابات ہوتے تو مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں کے عوام کے نمائندوں کی اکثریت پنجاب کے سیاسی حلیفوں سے مل کر جمہوری حکومت تشکیل دیتی اور پاکستان جمہوریت کی راہ پر گامزن ہوجاتا۔ کچھ لوگوں نے اپنے مفادات کو قومی مفاد پر ترجیح دی اور مارشل لاء لگانے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

اسکندر مرزا نے 7 اکتوبر 1958 کو ملک پر مارشل لاء نافذ کر کے 1956 کے آئین کو منسوخ کرنے کے ساتھ سیاسی جماعتوں پر پابندیاں عائد کردیں۔ اُس وقت یہ کہا گیا کہ یہ ایک عارضی اقدام ہے۔ نئے آئین کے بعد مارشل لاء اُٹھا لیا جائے گا۔ اسکندر مرزا کی حکمرانی 20 دنوں سے زیادہ نہیں چل سکی، 27 فروری 1958 کو جنرل ایوب خان نے موصوف کو نکال باہر کیا اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ ایوب خان نے اسکندر مرزا کو جلاوطن کر کے لندن روانہ کردیا جہاں اُنھوں نے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں زندگی تمام کی، اُن کی موت کے بعد ان کی میت کو پاکستان لانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

7 اکتوبر 1958 کے مارشل لاء کا تباہ کن نتیجہ 16 دسمبر 1971 کو نکلا جب پورا ملک ہی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ اب اگر اس المیے کے اسباب کو چند الفاظ میں بیان کیا جائے تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ پاکستان کی تخلیق کے بعد آئین کی تیاری میں دانستہ ڈالی گئی رکاوٹیں، 1956 کے آئین اور 1958 میں عام انتخابات کی منسوخی اور مارشل لاء کا نفاذ اس واقعے یا سانحے کی بنیادی وجہ تھی۔ دکھ کا مقام یہ ہے کہ 1971 کے سانحے سے کوئی سبق نہیں سیکھا گیا۔ ملک میں بار بار مارشل لاء لگائے جاتے رہے اور جمہوریت کو مستحکم نہیں ہونے دیا گیا۔ مناسب یہی ہے کہ کوئی صورت ایسی نکالی جائے کہ ملک میں ایک مضبوط اور پائیدار عمل شروع ہوسکے۔ 16 دسمبر 1971 کا یہی سبق ہے۔

معروف بلوچ سیاسی کارکن کریمہ بلوچ کی لاش ٹورنٹو سے برآمد

37 سالہ کریمہ بلوچ کینیڈا میں پناہ گزینی کی زندگی گزار رہی تھیں، آپ معروف بلوچ طلبا تنظیم بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کی چیئر پرسن رہ چکی تھیں۔ سنہ 2016 میں بی بی سی نے کریمہ بلوچ کو دنیا کی سو بااثر خواتین کی فہرست میں بھی شامل کیا تھا۔

کریمہ بلوچ کو آخری بار اتوار 20 دسمبر 2020 کو دوپہر تین بجے کے قریب دیکھا گیا تھا۔ جس کے بعد سے وہ لاپتہ تھیں۔ جبکہ آج انکی لاش ٹورنٹو سے برآمد ہوئی۔

ٹورنٹو پولیس نے کریمہ بلوچ کی گمشدگی کے بعد انکا مکمل حلیہ اور تصویر اپنی ویب سائٹ پر جاری کی تھی اور عوام سے اپیل کی تھی کہ وہ تلاش میں پولیس کی مدد کریں۔ تاہم آج کریمہ بلوچ کے اہلخانہ نے اس بات کی تصدیق کردی کہ کریمہ بلوچ کی لاش برآمد ہوچکی ہے۔ تاہم ابتک ایسی کوئی تفصیلات جاری نہیں کی گئی ہیں کہ انکے انتقال اور گمشدگی کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے۔

بلوچ نیشنل موومنٹ کے مرکزی ترجمان نے کہا ہے کہ کینیڈا میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے والی بی این ایم رہنماء اور بی ایس او آزاد کی سابقہ چیئر پرسن بانک کریمہ بلوچ کی شہادت بلوچ قوم اور قومی تحریک کے لئے بہت بڑا نقصان ہے بانک کریمہ کی موت سے ہم ایک وژنری لیڈر اور قومی علامت سے محروم ہوچکے ہیں۔ اِس عظیم نقصان کی تلافی صدیوں میں بھی ناممکن ہے۔

ترجمان نے کہا کہ بانک کریمہ بلوچ ایک دن سے لاپتہ تھیں آج ان کی لاش کینیڈا میں ٹورنٹو کی پولیس کو ملی ہے بلوچ نیشنل موومنٹ اپنے رہنماء اور بی ایس او آزاد کے سابقہ چیئر پرسن اور قومی لیڈر بانک کریمہ بلوچ کی ناگہانی موت پر چالیس روزہ سوگ کا اعلان کرتی ہے اور تمام زونوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ چالیس روز تک دیگر سرگرمیاں معطل کرکے سوگ منائیں۔

ترجمان نے کہا کہ بانک کریمہ بلوچ نہ صرف پارٹی کی لیڈر اور بی ایس او کی سابقہ چیئر پرسن تھیں بلکہ بلوچ طلبا تنظیم کی تاریخ میں پہلی خاتون چیئر پرسن تھیں۔ اُنہوں نے اُس وقت بی ایس او کی کمان سنبھالی جب پاکستانی بربریت اپنی انتہاء کی جانب بڑھ رہی تھی۔ تنظیم کے وائس چیئرمین، چیئرمین، انفارمیشن سیکریٹری اور کابینہ کے دیگر ممبران ریاست کے ہاتھوں لاپتہ ہوچکے تھے۔ لیکن بلوچ قوم کی بہادر لیڈر نے اُن مشکل حالات میں نہ صرف تنظیم کو بہترین حکمتِ عملی سے لیڈ کیا بلکہ پوری بلوچ قومی تحریک کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں اور بلوچ قومی تحریک میں خواتین کی بھرپور شمولیت کے لئے اُن کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ کریمہ بلوچ اپنی جرات، بہادری اور سیاسی بصیرت کی بدولت بلوچ قوم سمیت دنیا کے دیگر مظلوم اور محکوم قوموں کے لئے ہمیشہ ایک علامت کی حیثیت سے زندہ و جاوید رہے گی۔ اُنہوں نے اپنی قابلیت‘ کمٹمنٹ اور بہادری سے بلوچ قومی تحریک اور بین الاقوامی سطح پر نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ ممتاز برطانوی نشریاتی ادارہ بی بی سی کے سو بااثر خواتین کے فہرست میں شامل ہونے میں کامیاب ہوئیں۔

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ سیاسی کارکن کریمہ کی شہادت سے بلوچ قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ کریمہ کو بلوچستان میں جان کے خطرے کے باعث کینیڈا جانا پڑا مگر وہاں بھی انکی جان سلامت نہ رہ سکی۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ این ڈی پی یقین سے یہ کہہ سکتی ہے کہ کریمہ کی شہادت ایک سازش کے تحت ہوئی ہے، شہادت سے ایک دن قبل لاپتہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو کینیڈا میں بھی اُنہی لوگوں نے لاپتہ کیا ہے جن کی وجہ سے وہ بلوچستان سے کینیڈا چلی گئی تھی۔

کریمہ بلوچ طلباء سیاست کی بہت ہی اہم کردار رہی ہے۔ اُنکی وجہ سے بلوچ قومی شناخت کی بحالی میں بلوچ خواتین کو کردار بہت نمایاں تھا اور آج بھی اُنہی کی بدولت بلوچ خواتین سیاست میں حصہ لے رہی ہیں۔

بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ بلوچ قوم روزِ اول سے شدید ظلم و زیادتیوں کا شکار ہے، مختلف ادوار میں اِس ظلم و جبر میں تیزی آئی ہے مگر اب یہ سلسلہ بلوچستان سے باہر مقیم بلوچوں کو براہ راست متاثر کررہا ہے۔ معروف صحافی ساجد حسین بلوچ کو سویڈن میں لاپتہ کرنے کے بعد شہید کیا گیا اور افغانستان میں دو بگٹی بلوچوں کی ٹارگٹ کلنگ اور آج کریمہ بلوچ کا کینیڈا میں پہلے لاپتہ ہونا اس کے بعد انکی لاش کا ملنا اس بات کا اشارہ ہے کہ اب بلوچ قوم دیگر ملکوں میں بھی محفوظ نہیں ہے۔

یہاں اقوامِ متحدہ پر بھی سوال اٹھتا ہے کہ کریمہ بین الاقوامی سیاست میں بلوچ قوم کی نمائندگی کررہی تھی اور اقوامِ

متحدہ کے متعدد میٹنگز میں شریک رہی ہے کیا ایک سیاسی شخصیت جس نے سیاسی پناہ لے رکھی ہے اسکی حفاظت کے لیئے کوئی اقدامات کیوں نہیں اٹھائے نہیں جاتے؟

کریمہ بلوچ کی حفاظت کی ذمہ داری کینیڈین حکومت پر عائد تھی، آج اگر مغربی دنیا نے بلوچ قوم پر ہونے والے مظالم کے خلاف ساتھ نہ دیا تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا سے انسانیت ہی ختم ہوگئی ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ این ڈی پی بانک کریمہ کی شہادت کو بلوچ قوم کے لیئے قومی نقصان سمجھتی ہے اور بلوچ قوم سے یہ اپیل کرتی ہے کہ اپنے شہیدوں کے نظریے کو زندہ رکھنے کے لیئے عملی طور پر سیاست کے میدان میں آئیں۔

کریمہ بلوچ، بلوچستان کے معروف سیاسی کارکنان میں سے ایک تھے۔ انہیں بلوچ خواتین میں سیاسی تحرک پیدا کرنے کا بانی کہا جاتا ہے۔ وہ بی ایس او کی ستر سالہ تاریخ میں تنظیم کے پہلے خاتون سربراہ ہونے کا بھی اعزاز رکھتی تھیں۔ بلوچستان میں جان کو لاحق خطرات کے باعث انہوں نے کینیڈا میں سیاسی پناہ حاصل کرلی تھی۔ جسکے بعد وہ کینیڈا اور سویٹزرلینڈ میں اقوام متحدہ کے سیشنوں میں بلوچستان کا مسئلہ اٹھاتے رہے تھے۔

کریمہ بلوچ کی اچانک گمشدگی اور موت پر بلوچ سیاسی کارکنان نے گہرے صدمے کا اظہار کیا ہے۔

رواں سال مارچ کے مہینے میں ایک اور بلوچ پناہ گزین صحافی ساجد حسین سویڈن سے لاپتہ ہوگئے تھے۔ کچھ وقت کے بعد اُنکی لاش اپسالا سویڈن کے ایک دریا سے برآمد ہوئی تھی۔ انکے عزیز واقربا نے دعویٰ کیا تھا کہ انہیں قتل کیا گیا ہے۔

☆☆☆

انسانی حقوق کے لیے پیروکاری (ایڈووکیسی) کی مہارتیں

مثال

ایک گاؤں کے باشندوں کو پانی کی قلت کا مسئلہ درپیش تھا۔ معلومات حاصل کی گئی تو پتہ چلا کہ گاؤں کی عورتیں ہر روز دو کلومیٹر دور جا کر پانی لاتی ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لئے روائتی طور پر کام کرنے والی کسی دیہی تنظیم کا ردِعمل یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک منصوبہ تیار کرے، اس کے لئے مالی معاونت حاصل کرے اور گاؤں میں یا اس کے نزدیک ایک ہینڈ پمپ لگوا دیا جائے۔ اس کے برعکس پیروکاری کے مطابق ردِعمل یہ ہوسکتا ہے کہ یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی؟ اور پھر مقامی حکومت سے جواب طلب کیا جائے کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اس نے کیا کیا؟ ممکن ہے کہ اس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئے کہ ہر گاؤں میں پینے کا پانی فراہم کرنے کے لئے یونین کونسل کو فنڈز دئے گئے تھے لیکن یہ رقم کسی اور کام میں خرچ کر دی گئی۔ اس مرحلے پر پہلے جمع کی گئی معلومات کو پیروکاری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ ضروریات کی تکمیل کے لئے پالیسی اور کام کے طریقوں میں تبدیلی لائی جائے، ہینڈ پمپ لگوانے سے مسئلے کی بنیادی وجہ دور نہیں ہوگی۔

پیروکاری کے استعمال کا موزوں وقت

☆ آپ کا تجربہ یا تمہیدی/ابتدائی تحقیق یہ ثابت کردے کہ آپ اس موقع پر اپنے مقاصد کسی اور طریقے سے حاصل نہیں کر سکتے۔

☆ آپ کو اس بات کا یقین ہو کہ پیروکاری کرنے کے لئے آپ کے پاس استعداد موجود ہے۔

☆ آپ کے پاس بے انتہا جوش و جذبہ اور ہمت موجود ہو کہ آپ کو اگر کسی کام کو آخری حد تک لے جانے کی ضرورت محسوس ہو تو آپ وہ بھی کر سکیں۔

پیروکاری میں ابلاغ کا کردار

آج کے دور کے دو اور تصورات جن کا پیروکاری سے نزدیکی تعلق ہے، مقامی آبادی یا کسی خاص برادری (کمیونٹی) کو متحرک کرنا اور معلومات، تعلیم اور ابلاغ (Information, Education and Communication) ہیں۔ مقامی آبادی یا کسی خاص برادری کو متحرک کرنا، بنیادی طور پر اجتماعی مفادات اور حقوق کے لئے لوگوں کو منظم کرنا اور سماجی اقدامات کرنا ہے۔ اس میں مسئلے کا بارے میں شعور پیدا کرنے سے تربیت دینے اور اپنی مدد آپ کرنے والے گروہوں کی تشکیل تک کے کام شامل ہیں۔ معلومات، تعلیم اور ابلاغ (IEC) کا مطلب ایسی سرگرمیاں ہیں جن کا مقصد مسئلے کے بارے میں لوگوں کی سمجھ بوجھ اضافہ اور رویوں میں مثبت تبدیلی لانا ہو۔ اس کی ایک عمدہ مثال خاندانی منصوبہ بندی کی مہم ہے جس کا مقصد بچوں کی پیدائش میں وقفے اور چھوٹے خاندان کے فائدوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے تاکہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے استعمال کریں۔

پیروکاری کے طریقے

☆ بالمشافہ ملاقاتیں
☆ مراسلے یا خطوط لکھنا
☆ مذاکرات
☆ آن لائن مہم
☆ ترغیب کاری
☆ مباحثے و تقاریر
☆ پوسٹر اور کتابچے
☆ نیٹ ورکنگ و اتحاد سازی
☆ احتجاج اور مظاہرے
☆ عوامی مفاد میں قانونی چارہ جوئی

کامیاب پیروکاری کی مہارتیں

وسیع النظر	دھیان سے سننے کی صلاحیت
درست وقت اور موقع کی پہچان	قائل کرنے اور ہونے کی اہلیت
مسائل کے حل کی تحقیقی مہارتیں	اپنے شعبے پر عبور
آگے بڑھنے کی صلاحیت	اداروں کے ڈھانچے کی واقفیت

پیروکاری سے پہلے کے سوالات

☆ کیا ہمارے پاس مسئلے کے بارے میں اچھی خاصی معلومات موجود ہیں یا یہ معلومات حاصل کرنے کی استعداد اور آمادگی پائی جاتی ہے؟

☆ ہم جن لوگوں کی نمائندگی کرنا چاہتے ہیں کیا وہ ہمیں تسلیم کرتے ہیں؟

☆ کیا ان لوگوں کی زندگی کی حقیقتوں سے ہم اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں؟

☆ ایک گروپ کے طور پر ہماری طاقت اور کمزوریاں کیا ہیں؟

☆ ہم اپنی کمزوریوں کو کیسے دور کر سکتے ہیں اور اپنی قوت سے فائدہ کیسے اٹھا سکتے ہیں؟

☆ کیا مواقع دستیاب ہیں اور کن خطرات کا سامنا ہوسکتا ہے؟

☆ کیا ہم ان لوگوں کی مخالفت کا خطرہ مول لینے کو تیار ہیں، جنہیں ہماری مہم کے نتیجے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا؟

پیروکاری منصوبہ کے مقاصد کی شناخت

پیروکاری کے لئے ایک وقت میں ایک ہی معاملے/مسئلے کو اٹھائیں۔ مثال کے طور پر تعلیم کی اہمیت کے بارے میں شعور بیدار کرنے کی مہم شروع کرتے وقت اساتذہ کی تربیت کے لئے صوبائی بجٹ میں رکھی گئی کم رقم، گاؤں میں لڑکیوں کے سکول کا نہ ہونا وغیرہ جیسے مسائل کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ محلے، بستی یا گاؤں میں کام کرنے والی ایک چھوٹی تنظیم مقامی مسائل کے لئے موثر ثابت ہوسکتی ہے جب کہ کسی بڑے معاملے کو قومی سطح کی تنظیم، تنظیموں کا نیٹ ورک یا ایک سیاسی جماعت بہتر طور پر اٹھا سکتی ہے۔ اور جو لوگ اختلاف رائے رکھتے ہوں ان کے اعتراض کا جواب دینا چاہیے۔ اس مرحلے پر حمائت کرنیوالوں کی فہرست بنائیں۔ ایسے افراد کی نشاندہی کریں جو معلومات حاصل کرنے، بااثر لوگوں سے ملاقات کرنے اور ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔

امور و مسائل کی شناخت اور معلومات جمع کرنا

مصدقہ اور قابل اعتبار معلومات۔ جانچ کی فہرست

☆ کیا معلومات تازہ ہیں؟
☆ کیا معلومات آبادی کی نمائندہ ہیں؟
☆ کیا معلومات کی درجہ بندی ہوئی ہے؟
☆ کیا معلومات کا ذریعہ قابل اعتبار ہے؟
☆ کیا یہ غیر جانبدارانہ ہے؟

مثال

پیروکاری مہم: گروی مزدوری کا معاملہ

اقدام: اس کے لئے پہلے آپ کو مسئلے کو نقشے پر ظاہر کرنا ہوگا ان آبادیوں/علاقوں کو تلاش کرنا ہوگا جہاں گروی مزدور پائے جاتے ہیں۔

کتنے افراد گروی مزدور کے طور پر کام کر رہے ہیں؟

ان کا تعلق کن ذاتوں اور نسلی گروہوں سے ہے؟

ان کے آجر کون ہیں؟

جب مسئلے کے پیمانے اور مقام کا واضح تعین ہو جائے، تب آپ کو مسئلے کے اسباب اور اثرات کے بارے میں تفصیلی

معلومات جمع کرنی ہوں گی۔

وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بنا پر لوگ پیشگی رقم (ادھار) لیتے ہیں۔اگر انہیں موقع ملے تو کیا وہ معاوضے کے عوض کام کریں گے؟

نقل وحرکت اور صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

عورتیں اور بچے اس صورت حال سے کس طرح متاثر ہوتے ہیں؟

کیا آئین گروی مشقت پر پابندی عائد کرتا ہے؟

کیا اس رواج کے خلاف کوئی خاص قانون یا قوانین موجود ہیں، اگر ہیں تو کیا ان پر عمل درآمد ہورہا ہے؟

کیا قانون میں کوئی سقم ہے؟

کیا قانون کے نفاذ کا کوئی طریقہ کار موجود ہے؟

یہ طریقہ کار کتنا فعال ہے؟

اس کے نفاذ کا ذمہ دار کون ہے؟

اس بارے میں مقامی، صوبائی اور وفاقی حکومتوں کے فرائض کیا ہیں؟

یہ معلومات ثانوی ذرائع (آئین کی دستاویز، قواعد وضوابط، عدالتوں کے فیصلے وغیرہ) سے یا بنیادی ذرائع (محکمہ محنت، محکمہ انصاف، وکلاء، مزدور رہنماء وغیرہ) سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

متاثرین تشدد کے ساتھ سلوک اور انہیں سماجی اور نفسیاتی مدد فراہم کرنے کی مہارتیں

بطور کارکنان انسانی حقوق ہمیں متاثرین تشدد سے کیسے پیش آنا چاہیے؟

سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم متاثرین کی نفسیات کو سمجھیں اور انہیں جس حد تک ممکن ہو مدد فراہم کریں۔

انہیں حوصلہ دیں اور یہ بتائیں کہ وہ غلطی پر نہیں بلکہ ان کے ساتھ زیادتی کرنے والا فرد/افراد غلط اور مجرم ہیں۔

کسی بھی قسم کے غیر عملی مفروضے، تجاویز یا امیدیں دلانے سے پرہیز کریں۔

متاثرین کی اقسام

پہلا/بنیادی متاثرہ فرد/افراد

(Primary Victim)

وہ فرد/افراد جو خود براہ راست کسی ظلم اور تشدد کا شکار ہوئے ہیں۔

ثانوی متاثرہ فرد/افراد

(Secondary Victim)

وہ فرد/افراد جو ظلم اور تشدد کے عینی شاہدین ہیں یا مالی یا نفسیاتی طور پر براہ راست متاثرہ فرد پر انحصار کرتے ہوں۔ مثال کے طور پر براہ راست متاثرہ شخص کے خاندان کے لوگ، دوست وغیرہ

تیسرا متاثرہ فرد/افراد

(Tertiary Victim)

وہ فرد/افراد جو خود تو کسی قسم کے ظلم یا تشدد سے محفوظ رہے ہوں مگر بنیادی یا ثانوی متاثرین کے قریب ہوں۔مثال کے طور پر ہمسائے، اپنی برادری کے لوگ یا پہلے سے متاثرہ افراد وغیرہ۔

متاثرہ فرد عموماً چار مراحل سے گزرتا ہے۔انسانی حقوق کے کارکنان کو ان کے بارے میں سمجھنا نہایت ضروری ہے۔انہی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ بہتر طور پر متاثرہ افراد کی مدد کرسکتے ہیں۔

انکار (Denial)

یہ عمومی طور پر ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے جس میں متاثرہ فرد سمجھنے سے قاصر اور ماننے سے انکاری ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا بیتی ہے۔

غصہ (Anger)

یہ وہ مرحلہ ہے جب متاثرہ فرد اپنے ساتھ ہونے والے عمل پر بہت غصے میں ہوتا ہے۔کہ یہ کیسے ہوگیا؟ میں نے یہ کیسے ہونے دیا؟

پچھتاوا (Remorse)

یہ وہ مرحلہ ہے جب متاثرہ فرد یہ سوچنا اور سمجھنا شروع کردیتا ہے کہ میرے ساتھ یہ عمل شائد میری کسی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے یا یہ عمل میرے ساتھ ہی کیوں ہوا ہے۔

غم (Grief)

یہ وہ مرحلہ ہے جب متاثرہ فرد بظاہر بہتر نظر آتا ہے مگر وہ اپنے ساتھ ہونے والے یا کسی دوسرے کے ساتھ اپنے جیسے ہونے والے واقعہ کے ذکر پر غمگین ہوجاتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ متاثرہ شخص کسی ایک مرحلے میں ہی رہے اور اس سے نکل ہی نہ پائے۔ایسی صورت میں خصوصی مہارت کے حامل افراد ہی ان کی مدد کرسکتے ہیں۔

آپ کیا کرسکتے ہیں؟

جب متاثرہ فرد انکار کے مرحلے سے گزر رہا ہو۔

☆ متاثرہ فرد کو اجازت دیں کہ وہ انکاری ہوسکے مگر اس سے اتفاق نہ کریں۔

☆ انہیں نرمی اور احتیاط سے حقائق سے آگاہ کریں۔

☆ جتنا ضروری ہو ان حقائق کو دہرائیں۔

☆ کوئی ایسا وعدہ نہ کریں جس کا ایفا ممکن نہ ہو۔

جب متاثرہ فرد غصے کے مرحلے سے گزر رہا ہو۔

☆ متاثرہ فرد کے غصے کو اپنے اوپر مت لیں/اپنی ذات کے متعلق مت سمجھیں۔

☆ متاثرہ فرد کو بول کر اپنا اظہار کرنے دیں۔

☆ انہیں حوصلہ دیں اور بتائیں کہ آپ ان کے غصے کو سمجھتے ہیں۔

☆ انہیں مت کہیں کی آپ ان کے احساسات / محسوسات کو سمجھتے ہیں۔

☆ انہیں کسی قسم کے دلائل مت دیں۔

جب متاثرہ فرد پچھتاوے کے مرحلے سے گزر رہا ہو۔

☆ متاثرہ فرد کو، جو واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا ہو، اس کی ذمہ داری مت لینے دیں۔

☆ انہیں اس بات کی مسلسل یقین دہانی کرائیں۔

☆ کسی بھی قسم کے نتیجہ خیز (Judgmental) بیانات سے اجتناب کریں۔

جب متاثرہ فرد غم کے مرحلے سے گزر رہا ہو۔

☆ متاثرہ فرد کو غمگین ہونے دیں۔

☆ انہیں بتائیں کہ اس میں کوئی مسئلہ نہیں کہ آپ اپنے ساتھ ہونے والے واقعہ کے بارے میں برا محسوس کریں لیکن اس بات پر یقین رکھیں کہ اس میں "آپ کا کوئی قصور نہیں ہے"۔

یادرکھیں

عموماً بالغ افراد اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ہوسکتا۔ان کے لئے اس واقعے کی حقیقت ایک بہت بڑا دھچکا ہوتی ہے۔اس وقت بہت ضروری ہے کہ متاثرہ فرد کو اس عمل کی ذمہ داری لینے سے روکا جائے۔متاثرہ فرد سے سچ بولیں اور یہ مت کہیں کہ "آپ سمجھتے ہیں کیونکہ دراصل آپ نہیں سمجھتے"۔

ان کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی مدد خود کرسکیں

☆ متاثرہ فرد کو اس کے وسائل جانچنے میں مدد کریں۔

☆ ان کو ان کے خاندان اور دوستوں کی طرف مائل کریں۔

☆ انہیں سنیں اور ان کی ضروریات میں مدد کریں۔

☆ اس بات کو سمجھیں کہ اس وقت ان کے لئے کیا ضروری ہے۔

☆ ان کو اس بات کی یقین دہانی کرائیں کہ وہ اس قسم کے واقعات کا شکار ہونے والے اکیلے فرد نہیں ہیں۔

یہ بھی یادرکھیں کہ

بچے بھی ان واقعات کے متاثرین ہوسکتے ہیں اور وہ بھی انہی مراحل سے گزرتے ہیں ان کے بھی بالغ افراد جیسے جذبات ہوسکتے ہیں۔ان کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آئیں مگر زیادہ محبت اور شفقت کے ساتھ کیونکہ "بچے بالآخر بچے ہوتے ہیں"۔

قاتلوں کو گرفتار کیا جائے

تربت/مکران ایچ آر سی پی کے ریجنل آفس تربت مکران کے کوآرڈینیٹر کی جانب سے ایک پریس ریلیز کے ذریعے امیر بخش ولد زباد ساکن سنگ آباد تجابان اور حلیف ولد میران ساکن سنگ آباد تجابان کے سفاکانہ قتل کی شدید مذمت کی گئی ہے، اور اُن کے قاتلوں کی گرفتاری اور قرار واقعی سزاؤں کا پُرزور مطالبہ کیا گیا ہے۔ پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ یہ دونوں لڑکے کمسن طلباء تھے۔ امیر بخش کی عمر 18 سال تھی اور وہ ساتویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھے، جبکہ حلیف کی عمر 14 سال تھی اور وہ پانچویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھے۔ کرونا کی وجہ سے تعلیمی اداروں کی بندش اور غربت کی بناء پر محنت مزدوری کر رہے تھے۔ اور اسی دوران 8 دسمبر 2020 کو ہیرونک میں پہلے تو انہیں اغوا کر لیا گیا اور پھر انہیں قتل کر کے اُن کی لاشیں پھینک دی گئیں۔ آخر اُن بیچاروں کا قصور کیا تھا؟ پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ حق زندگی ہر فرد کا سب سے بڑا بنیادی انسانی حق ہے، کیونکہ اس حق کو چھیننے کی صورت میں تمام دوسرے بنیادی انسانی حقوق بھی چھن جاتے ہیں۔ اور اُن دونوں کے قتل کے نتیجے میں اُن کے خاندانوں کے کتنے حقوق سلب ہو جاتے ہیں، اس کا بھی کوئی حد اور حساب نہیں۔ لہذا ان کے قتل کے عمل کو ایک غیر قانونی، غیر آئینی، غیر انسانی اور ظالمانہ عمل قرار دے کر شدید مذمت کی جاتی ہے۔ اور تمام متعلقہ حکام اور افسران سے پُرزور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ قاتلوں کو جلد از جلد گرفتار کر کے سزائیں دی جائیں۔ پریس ریلیز میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قتل کے واقعے کو کافی دن گزر چکے ہیں مگر تا حال پولیس یا کسی اور متعلقہ ادارے کی طرف سے کوئی کاروائی نظر نہیں آئی۔ لہذا کمشنر مکران ڈویژن، ڈی سی کیچ اور ڈی پی او کیچ سمیت تمام متعلقہ افسران، حکام اور اداروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ اب بلا تاخیر کاروائی کر کے ملزموں کی گرفتاری عمل میں لائی جائے تاکہ انہیں کسی کھلی اور قانونی عدالت کے سامنے پیش کر کے سزائیں دی جا سکیں۔

ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران (بلوچستان)

علاج معالجے کے انتظامات کئے جائیں

مکران سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے موجودہ دور میں جبکہ انسان چاند اور مریخ تک پہنچ چکا ہے یہاں مکران میں ڈی ایچ کیو ہسپتال تربت سمیت کوئی بھی ایسا ہسپتال نہیں، جہاں بڑی بڑی بیماریوں کے ٹیسٹ اور علاج معالجے کے معقول انتظامات ہوں۔ لہذا متعلقہ حکام بالا سے پُرزور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مکران کے تمام ضلعی ہسپتالوں میں اور خصوصاً ڈی ایچ کیو ہسپتال تربت میں تمام خاص خاص بیماریوں کے ٹیسٹوں اور علاج معالجے کے تمام انتظامات کئے جائیں۔

(نامہ نگار)

سکھر پولیس، وکیل کے اغوا اور قتل کی ذمہ دار قرار

کراچی فیصل آباد کے ایک وکیل کے اگست میں اغوا اور قتل کی پولیس انکوائری اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ سکھر پولیس نے مناسب طریقہ کار پر عمل نہ کرتے ہوئے پنجاب سے ایک وکیل کو گرفتار/اغوا کیا، اسے غیر قانونی طور پر حراست میں رکھا اور اسے تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کرنے کے بعد اس کی لاش رحیم یار خان کے صحرا میں پھینک دی۔

ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق انکوائری میں انکشاف کیا گیا کہ یہ جرم صرف ایک فریق کے حق میں کیا گیا کیونکہ وہ متوفی کے ساتھ جائیداد کے تنازع میں ملوث تھا اور مقامی بااثر شخصیات کے کہنے پر اس کی حمایت کی گئی تھی۔ سندھ پولیس چیف کے حکم پر ڈی آئی جی نعیم احمد شیخ کی سربراہی میں کی گئی انکوائری رپورٹ میں کہا گیا کہ 'اس پورے واقعے کا سب سے افسوسناک حصہ یہ ہے کہ (ایڈووکیٹ) اعجاز احمد آرائیں کو غیر قانونی تحویل میں رکھا گیا تھا، انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا اور اس کے بعد غیر قانونی تحویل میں اس کی موت واقع ہو گئی تھی اور اس کی میت کو صوبائی حدود سے باہر ایک ویران علاقے میں پھینک دیا گیا تھا'۔

مثالی کارروائی کی تجویز

رپورٹ میں تجویز دی گئی کہ 'یہ اقدام نہ صرف مجرمانہ ہے بلکہ ساتھ ساتھ غیر انسانی بھی ہے، سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی شخص اس جرم کی حمایت نہیں کر سکتا، اس سلسلے میں سکھر پولیس کے کردار کی نہ صرف مذمت کی جانی چاہیے بلکہ ذمہ داروں کے خلاف مثالی کارروائی کی بھی ضرورت ہے'۔

انکوائری میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ وکیل کے خلاف جولائی میں سکھر کینٹ پولیس اسٹیشن میں درج کی گئی ایف آئی آر 'جائیداد کے تنازع کا سامنا کرنے والے اعجاز احمد آرائیں پر دباؤ ڈالنے کے ارادے کے ساتھ کی گئی تھی'۔

انکشاف کیا گیا کہ سکھر پولیس کے اعلیٰ افسران مبینہ طور پر ایک مقامی بااثر شخصیات کے کہنے پر کسی جھوٹے مقدمے کے اندراج میں مدد فراہم کرنے میں ملوث تھے'۔

انکوائری میں کہا گیا کہ غلط ایف آئی آر درج کرنے کے بعد فیصل آباد سے وکیل کی گرفتاری سکھر میں اس کی غیر قانونی حراست، اس کی موت کی وجہ بننے والے اس کے جسم پر زخموں کے نشانات اور سندھ کی صوبائی حدود سے باہر لاش کو پھینکنے کے بارے میں سکھر پولیس کے اعلیٰ افسران، بشمول ایس ایس پی عرفان سمو کو علم تھا اور 'وہ براہ راست یا بالواسطہ ان کارروائیوں کے ذمہ دار ہیں'۔ انکوائری میں سکھر پولیس کے اعلیٰ افسران کے خلاف کارروائیوں کی سفارش کی گئی تھی کیونکہ وہ 'جائیداد کے تنازع' میں ایک فریق کے حق میں اپنے اختیار کو 'غلط استعمال' کرنے میں ملوث تھے، انہوں نے ایک 'مجرمانہ سازش' کا ارتکاب کیا اور 'نااہلی' کا مظاہرہ کیا۔ انکوائری افسر نے یہ بھی سفارش کی کہ تحقیقات کے عمل میں ہم آہنگی کے لیے ایک ڈی آئی جی رینک کے پولیس افسر کو 'فوکل پرسن' کے طور پر مقرر کیا جائے تاکہ مناسب شواہد اکٹھے ہوں اور معاملہ سندھ اور پنجاب میں چلایا جا سکے۔

'بدانتظامی رپورٹ'

اس پیش رفت سے واقف سینئر افسر کا کہنا تھا کہ انکوائری کے نتائج کی روشنی میں انسپکٹر جنرل سندھ پولیس مشتاق احمد مہر نے سیکریٹری داخلہ کو خط لکھ کر ایس ایس پی سمو کے خلاف 'بدانتظامی رپورٹ' کو 'موجودہ قواعد کے مطابق مزید ضروری کارروائی کرنے کے لیے' اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں بھیجنے کے لیے کہا ہے۔ انکوائری رپورٹ میں کہا گیا کہ سکھر پولیس نے پنوعاقل کے رہائشی کی شکایت پر فیصل آباد کے مذکورہ وکیل کے خلاف یکم جولائی 2020 کو ایف آئی آر درج کی تھی۔

سکھر پولیس نے 'طریقہ کار پر عمل کرنے کے بجائے' براہ راست فیصل آباد ضلع میں کارروائی کی اور اعجاز احمد آرائیں کو 17 اگست کو گرفتار کیا اور اسے سکھر لائے اور اسے غیر قانونی قید میں رکھا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا اور بالآخر اس کی موت ہو گئی۔

رپورٹ کے مطابق 'مقتول کی لاش کو اس کے بعد تھانہ بھنگ، ضلع رحیم یار خان کی حدود میں پھینک دیا گیا'۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا جب 22 اگست کو لاش برآمد کی گئی اور اس کی نشاندہی کی گئی تو یہ اطلاع ملی کہ پولیس ضلع سکھر کے شہری نے اسے فیصل آباد سے 'قانون پر عمل درآمد کرتے ہوئے گرفتار کیا جو اغوا کے مترادف ہے'۔

(امتیاز علی)

جبری گمشدہ افراد کی بازیابی کے لیے احتجاج

حیدر آباد 8 دسمبر کو پروگریسیو یوتھ الائنس حیدر آباد کی جانب سے جبری لاپتہ کئے گئے دونو جوانوں آمر فیاض اور سروتج حانی کی بازیابی کیلئے حیدر آباد پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ اس موقع پر کامریڈ آمر فیاض کی بیوی سپنا آمر کامریڈ علی عیسٰی اور سرمد سیال سمیت دیگر نے کہا کہ آمر فیاض کو 8 نومبر کی رات جامشورو سے دو ویگو گاڑیوں اور تین موبائلوں میں سوار نقاب پوش اہلکار اٹھا کر لے گئے جن کا آج تک کچھ پتہ نہیں جبکہ سروتج حانی بھی کافی عرصہ سے لاپتہ ہے جس کے سبب اس کے گھر میں کہرام مچا ہوا ہے۔ دونوں جبری لاپتہ نوجوان طلبا یونین کی بحالی، ہراسانی کے واقعات کی روک تھام اور بیروزگاری کیخلاف جوجہد کرتے رہے تھے۔ تاہم کسی بھی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث نہیں رہے، انہون نے چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ سے اپیل کی کہ دونوں بے گناہ نوجوانوں کو بازیاب کرائیں اور ان کے خلاف کوئی کیس درج ہیں تو انہیں عدالت میں پیش کر کے کیس چلایا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

بچے تفریحی سہولیات سے محروم

نوشکی بچوں کی تفریح اور صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے پارکوں کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ چار سال قبل وزیر اعلیٰ ترقیاتی پیکج سے 4 کروڑ روپے کی کثیر لاگت سے نوشکی میں پارک کی تعمیر عمل میں لائی گئی لیکن متعلقہ حکام کی عدم توجہی کے باعث وہ زبوں حالی سے دوچار ہے۔ تمام تفریحی ساز و سامان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ روشنائی کا نظام درہم برہم ہے۔ چار سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود سوئمنگ پُول میں پانی بھی ڈالا جا سکا۔ متعلقہ حکام کی عدم توجہی سے کروڑوں روپے سے بنائے گئے پارک کے باوجود بچے اور شہری تفریحی سہولیات سے محروم ہیں۔ نوشکی کی دو لاکھ سے زائد آبادی کے لیے کوئی تفریحی سہولت نہیں ہے۔ ضلعی انتظامیہ اور میونسپل کمیٹی فوری اقدامات کر کے پبلک پارک کو تفریحی مقاصد کے لیے استعمال میں لائے تاکہ بچوں اور شہریوں کو تفریحی سہولیات میسر ہوں۔

(محمد سعید)

بجلی کے ناجائز بلوں سے نجات دلائی جائے

مکران ضرورت سے زیادہ لوڈ شیڈنگ، تکنیکی خرابیوں اور وولٹیج کی کمی کے باعث اوّل تو مکران کے لوگوں کو بجلی نہ ہونے کے برابر ملتی ہے لیکن سب پر طرّہ یہ کہ واپڈا کے موجودہ ایس ای کے دور میں بجلی کے بلوں کے بھاری بوجھ سے اُن کی زندگیاں اجیرن بن کر رہ گئی ہیں۔ کیونکہ یہ شخص آئے روز اپنی طرف سے بجلی کے ریٹس بڑھاتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دھاڑی دار مزدوروں اور بیواؤں سے لیکر لوئر مڈل کلاس کے لوگ مقروض ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ سب باقاعدگی سے ہر ماہ بڑے بڑے بل ادا کرتے رہے ہیں۔ اب ان میں سے بیشتر کی حالت اتنی پتلی ہو چکی ہے کہ وہ حیران ہیں کہ آیا بچوں کے پیٹ پالیں، یا واپڈا کا پیٹ بھریں۔ بچوں کی تعلیم تو ویسے بھی کب کی غربت اور کرونا کی نذر ہو کر رہ گئی ہے۔ لہٰذا موجودہ اجلاس کے توسط سے تمام متعلقہ صوبائی اور وفاقی حکام بالا سے پُرزور مطالبہ کیا جاتا ہے، کہ مکران کو آفت زدہ علاقہ قرار دے کر مکران کے لوگوں کے بجلی کے تمام قرضے معاف کئے جائیں، اور ایس ای کا یہاں سے تبادلہ کیا جائے تاکہ یہاں کے لوگوں کو بجلی کے ناجائز بلوں سے نجات مل سکے۔ (نامہ نگار)

ہسپتال عملے کی غفلت پر خاتون جاں بحق

پشاور 8 دسمبر کو پشاور کے نجی ہسپتال میں دورانِ زچگی مبینہ طور پر آکسیجن کی عدم دستیابی کے باعث خاتون جاں بحق ہو گئیں۔ لواحقین نے حکومت سے واقعے کی تحقیقات کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ واقعے میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ پشاور کے علاقہ ہزارخوانی سے تعلق رکھنے والے شہزادو ولد سیف علی خان نے الزام عائد کیا ہے کہ چند دن قبل ان کی بیوی مسماۃ رحیمہ بی بی کا ڈبگری کے ایک نجی ہسپتال میں آپریشن کیا گیا جہاں پر مبینہ طور پر متعلقہ عملے کی غفلت اور آکسیجن کی عدم دستیابی کے باعث وہ انتقال کر گئی۔ جاں بحق ہونے والی خاتون دو بچوں کو سوگوار چھوڑ گئیں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ آپریشن کے بعد ڈاکٹر سمیت پورا عملہ غائب ہو گیا تھا جسکی وجہ سے مریضہ رات دو بجے تک تڑپتی رہی لیکن ہسپتال میں طبی عملہ موجود نہیں تھا۔ انکا کہنا تھا کہ واقعہ کے خلاف انہوں نے شاہ قبول پولیس سٹیشن میں درخواست بھی جمع کرائی لیکن پولیس کی جانب سے بھی ٹال مٹول سے کام لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ، وزیر صحت اور سیکرٹری ہیلتھ سے مطالبہ کیا ہے کہ اس واقعے کی شفاف انکوائری کی جائے اور ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ (نامہ نگار)

سکول سٹاف کی منتقلی کے خلاف احتجاج

بنوں 17 دسمبر کو گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول ڈھیری سیدان ممش خیل سے طالبات اور عملے کی دوسرے سکول منتقلی کے خلاف طالبات نے سکول کے سامنے احتجاج کیا جبکہ طالبات کے والدین اور مشران علاقہ نے بنوں میرانشاہ روڈ کو ہر قسم کی ٹریفک کیلئے بند کرتے ہوئے محکمہ تعلیم اور ضلعی انتظامیہ کو مسئلہ حل کیلئے دو دن کی ڈیڈ لائن دیدی۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے انجمن تاجران ضلع بنوں کے صدر سید نیک جہان شاہ، رحمدل شاہ، عمر نیاز شاہ اور دیگر مشران نے کہا کہ گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول ڈھیری سیدان ممش خیل کو ہائر سیکنڈری سکول کا درجہ ملنے کے بعد سکول میں تعمیراتی کام کی وجہ سے سٹاف اور طالبات کو سمندی ممش خیل سکول عارضی طور پر منتقل کیا گیا اور تعمیراتی کام مکمل ہونے کے بعد ایڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر شوکت علی اور محکمہ تعلیم کے ذمہ داروں کی موجودگی میں طالبات اور عملے کو بمع سامان واپس اپنے سکول ڈھیری سیدان ممش خیل منتقل کیا گیا لیکن اس کے بعد سیاسی دباؤ پر محکمہ تعلیم نے طالبات اور سٹاف کو دوسرے سکول منتقل کرنیکی کوشش کی ہم نے ضلعی انتظامیہ اور محکمہ تعلیم کے افسران سے بار بار ملاقاتیں کیں لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا۔ (روزنامہ آج)

بیوہ خاتون کو بازیاب کرانے کا حکم

پشاور پشاور ہائی کورٹ نے اپر کرم میں بیوہ خاتون کو مبینہ طور پر غیر قانونی قید میں رکھنے کے خلاف دائر رٹ پر ڈی پی او اور ایس ایچ او کو نوٹسز جاری کرتے ہوئے متعلقہ خاتون کو بازیاب کرانے کے احکامات جاری کر دیئے جبکہ سماعت 17 دسمبر تک ملتوی کر دی۔ جسٹس اکرام اللہ خان اور جسٹس عتیق شاہ پر مشتمل بنچ نے مسماۃ بی بی (س) کے کیس پر سماعت شروع کی تو ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل رب نواز خان بھی عدالت کے روبرو پیش ہوئے۔ عدالت کو بتایا گیا کہ متعلقہ خاتون کے شوہر اکبر حسین کو قتل کر دیا گیا تھا جس کے بعد اکبر حسین کے رشتہ داروں نے اسے میکے بھیج کر بچوں کو اپنے پاس روک لیا جبکہ اب اس کی کم عمر بیٹی کی زبردستی شادی کرائی جا رہی ہے۔ درخواست میں موقف اپنایا گیا کہ متعلقہ خاتون کو اپنے بھائی اور بھتیجے نے بھی گھر میں رکھا ہے جبکہ اسے گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی نہیں دی جا رہی ہے۔ دورکنی بنچ نے دلائل سننے کے بعد ڈی پی او اپر کرم اور متعلقہ تھانہ کے ایس ایچ او کو متعلقہ خاتون کو بازیاب کرانے کے احکامات دیتے ہوئے کیس پر سماعت 17 دسمبر تک ملتوی کر دی۔

(نامہ نگار)

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتا غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق

Monthly **JEHD-E-HAQ**

حیدرآباد، 09دسمبر کو 'صنف کی بنیاد پر تشدد، اور سرکاری اداروں وسول سوسائٹی کا کردار' کے موضوع پر ایک مکالمے کا اہتمام کیا گیا

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582

ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org

پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15